لیلیٰ کے خطوط

(بعد نظرثانی)

قاضی عبدالغفار

(مصوّر ایڈیشن)

عبدالحق اکیڈیمی
اشاعت منزل - اردو گلی
حیدرآباد دکن

عرضِ ناشر

"لیلیٰ کے خطوط" ادیب شہیر قاضی عبدالغفار کا تحریر کردہ شاہکار جسے جدید اُردو ادب کا نشانِ منزل بلکہ نصب العین سمجھنا چاہیے۔ ادب نواز اور احساس قلب رکھنے والے ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔

یہ خطوط اس سے پہلے بھی شایع ہو چکے ہیں لیکن جدید ایڈیشن، جدید ایڈیشن ہی نہیں بلکہ ایک بالکل نئی کتاب ہے قاضی صاحب نے مہینوں محنت کر کے اس کی نظر ثانی کی ہے، تقریباً سو صفحات کے جدید اضافے کیے ہیں، جدید مقدمہ اور ایک جدید اشارہ خاص اس حیدرآبادی ایڈیشن کے لیے تحریر فرمایا ہے۔

خود قاضی صاحب نے بہترین فنکار اور چابکدست مصور کو ہدایت دے کر اپنے خیالات کی تصویریں تیار کرائی ہیں، اس سے پہلے یہ کتاب غیر مصور شایع ہوئی تھی۔ سحر نگار ادیب کا قلم صفحۂ کاغذ پر الفاظ کی شکل میں جذبات کی تصویریں بناتا ہے، اور مصور کا قلم جب ادیب کے دماغ کی معاونت سے کام کرے تو اُس کے لامحدود اثرات کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ سونے پر سہاگا، اور حسن پر سنگھار ہے۔

"لیلیٰ کے خطوط" کیا ہیں، اس کا اندازہ ہر پڑھنے اور سمجھنے والے کا دل و دماغ لگا سکتا ہے، اردو اور فارسی ادبیات میں "لیلیٰ" کسی محبت کا

نام نہیں بلکہ نسوانیت اور مجرد نسوانیت کا نام ہے "لیلی کے خطوط" ہندوستان کی ہر اُس بدنصیب عورت کے خطوط اور اُس کے دل کی کہانی ہے جو شوئی قسمت سے نظربازوں کی منظورِ نظر اور دل پھینک حضرات کی دلربا ہے، جس کا پیشہ نسوانیت کی نمایش اور دلربائی کی مشق ہے، کہنے کو تو وہ پیکرِ لعنت اور ایک مجسم گناہ عشوہ فروش ہوتی ہے مگر ہوتی ہے بہرحال ایک عورت۔ اس کا قلب کسی سے کم حساس نہیں ہوتا اور اُس کا دماغ کسی کے دماغ سے کم نہیں سوچتا لیکن کون ہے جو اس دھوئیں کو دیکھ سکے جو اس کے جلتے ہوئے سینہ سے نکلتا ہے اور کون ہے جو اس گریہ مسلسل کو سمجھ سکے جو متواتر قہقہوں کی صورت میں نظر آتا ہے۔

"لیلی کے خطوط" حقیقۃً خطوط نہیں گھٹی ہوئی زندگی اور کچلی ہوئی روح کی آپ بیتی ہے، یہ کسی ایک دکھیاری کی کہانی نہیں، یہ کسی ایک ستم رسیدہ کی داستان نہیں بلکہ ہزاروں روحوں کی دردانگیز آہیں اور لاکھوں زندگیوں کے المناک نالے ہیں جو مردوں کے قلوب کو برماتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور اُن کو جو صنفِ قوی ہونے پر فخر کرتے ہیں بید کی طرح لرزہ براندام کر دیتے ہیں۔

زیرِ نظر مصور ایڈیشن پیش کرتے ہوئے "عبدالحق اکیڈیمی" اردو ادب میں ادب اور آرٹ کے حسین امتزاج کا ایک گراں بہا نمونہ پیش کر رہی ہے جو آئندہ اردو کتابوں کے لیے شاید نشانِ راہ کا کام دیگا۔ علی شبیر حاتمی

حیدرآبادی ایڈیشن

ایک گناہگار بہن کا

اُن محترم اور خوش قسمت بہنوں کی خدمت میں جو
اُس کی طرح زخم نصیب نہیں ہیں۔
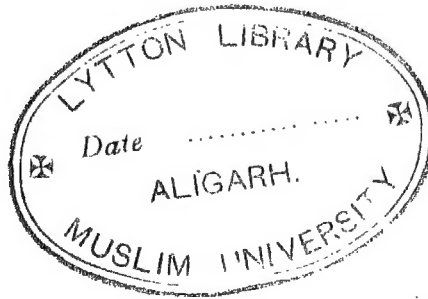
ابتک ہے رواں گرچہ لہو تیری رگوں میں　　پر گرمی افکار نہ اندیشہ بیباک

روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں بیں نہیں ہوتی　　جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگہ پاک

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری

اے کشتۂ سُلطانی و مُلّائی و پیری

اقبال

مقدمہ

یہ صفحات اپنی شرح خود ہیں۔ ایک چھوٹا سا آئینہ ہے جو ہندوستان کے نام نہاد مصلحین قوم اور مذہبی رہنماؤں کے سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ وہ اُس میں عورت کے متعلق اپنی غفلت شعاریوں کا مکروہ چہرہ دیکھ سکیں!

مجھ پر ظلم ہوگا اگر ان صفحات کو ناول یا افسانہ سمجھ کر پڑھا گیا، حقیقت یہ ہے کہ اس کاغذی پیرہن میں خراب آباد ہندوستان

کی نسوانی زندگی کے چند نقوش پیش کرنے کی
کوشش کی گئی ہے کہ اگر اس بدنصیب ملک میں
کچھ لوگ ان نقوش کے معنی سمجھ سکیں تو سمجھ لیں۔ اور
یہ بھی سمجھ لیں کہ جس وقت تک ہندوستان کی
عورت کے ساتھ پورا انصاف نہ کیا جائیگا سیاسی
آزادی اور قومی ترقی کا ادعا محض حرف غلط رہیگا!
یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک بازاری عورت کی
ظاہری اور باطنی زندگی کا یہ عکس مبالغہ سے
یکسر پاک ہے، مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ حُسن فروشی
کے بازار میں ہندوستانی عورت کی خونچکاں فطرت کا
یہ ایک "مطالعہ" ہے جو زبان اُردو کی علمی دنیا اور
ہندوستانیوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں
چشم عبرت کا محتاج ہے! اس دردناک تصویر کی
رنگ آمیزی اُس کو جاذب نظر بنانے کے لیے ضروری تھی۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر!

لیلیٰ کے قلم سے جو خطوط لکھوائے گئے ہیں اُن کا یہ
مجموعہ نہ انشاپردازی کی مشق ہے، نہ زورِ قلم کا مظاہرہ

ہے، بلکہ ان خطوط میں جو دیکھ سکتے ہوں، اُن کے لیئے لیلیٰ کا تبسم ایک فوارہ خون، اُس کی بذلہ سنجی ایک فریاد اور اُس کی ظرافت ایک دُکھی کی پُکار ہے! اُس کی شوخیوں میں اُس کے دل کا درد مستور ہے، اُس کی شرارتوں میں اُس کی جراحتیں پوشیدہ ہیں! لیلیٰ کی زندگی کا فلسفہ اس قدر نفرت انگیز نہیں جس قدر درد انگیز ہے! وہ ہنس ہنس کر اپنے اُن زخموں سے کھیلتی ہے جو اُس کے وجودِ معنوی پر ناسُور بن کر رہ گیے ہیں! اپنی مختصر داستان میں وہ اپنی اُن لاکھوں بدنصیب بہنوں کی روئداد زندگی بیان کرتی ہے جو اس ملک میں مردوں کی نفس پرستی پر قربان کی جاتی ہیں۔ لیلیٰ کی زندگی کا ہر نقش فریادی ہے!!!

ان خطوط کے اجمال میں، مظلوم کی طرف سے ظالم کی جانب چند اشارے ہیں، مگر ظالم مظلوم کی تصویر دیکھنے سے ہمیشہ گھبرایا کرتا ہے اس لیے کہ اُس کو اس آئینہ میں اپنی اصلی صورت نظر آیا کرتی ہے! پس تعجب نہیں اگر بعض حلقوں میں یہ خطوط سختی کے ساتھ ناپسند کیے جائیں لیکن عورت کی دنیا میں جہاں

ہندوستان کی تقریباً نصف آبادی ابھی تک پا بہ زنجیر اور مہر بہ لب ہے،
مجھے اُمید ہے کہ ان اوراق کا بیشتر حصّہ غور کے ساتھ پڑھا جائیگا۔
اِسی سلسلہ کے چند خطوط، اس سے پہلے رسالہ "نیرنگ خیال"
کے صفحات پر شایع ہو چکے ہیں اور اس طرح ایڈیٹر صاحب
"نیرنگ خیال" کی مہربانی سے لیلیٰ کی فریاد کا کچھ حصّہ اُس کے
ہمدردوں تک پہنچایا جا چکا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ بعض حلقوں میں
یہ فریاد ہمدردی کے ساتھ سُنی گئی۔ اب اِن خطوط کی یکجا اشاعت
سے مقصود صرف یہ ہے کہ جو لوگ لیلیٰ کے مخاطب اصلی ہیں
اُن کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے ایک قطرہ خون نکال کر
خوردبین کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ اُس ایک قطرہ سے اُن
تمام جراثیم کا پتہ چل جائے جو ہمارے نظامِ زندگی کو گھُن لگا
رہے ہیں لیلیٰ درحقیقت ہمارے جسدِ اجتماعی کا صرف ایک قطرہ
خون ہے جو میں اُن "بزرگانِ ملّت" کی خدمت میں نذر لایا
ہوں جن کا فرض تھا کہ مصلّوں پر تسبیح لے کر بیٹھنے اور منبروں پر
بے معنی اور بے نتیجہ وعظ فرمانے کے بجائے اپنی تہذیب کے اس
ناسور کے لیے، جس کا صرف ایک قطرۂ خون لیلیٰ ہے، کوئی مرہم
تجویز کرتے! اور اپنی "لیڈری" کے پلیٹ فارم پر محض تقریریں
کرکے اپنے مجرم ضمیر کو تسکین دینے کی کوشش نہ کرتے!!

عبد الغفار

۲۴ر دسمبر ۱۹۳۲ء
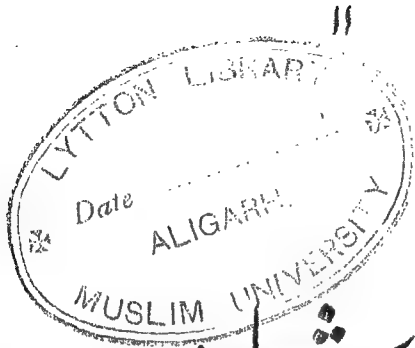
ایک اشارہ

(حیدرآباد ایڈیشن کے لیے)

روحوں میں طوفان آتے ہیں جس طرح سمندروں میں ـــــ ایک ایسے ہی طوفان میں پھنسی ہوئی ایک شکستہ ناؤ کا یہ قصّہ ہے ۔ اگر آپ سمجھ بھی سکتے ہوں تو سُن لیجیے! اور اگر سمجھنے میں کچھ زحمت ہو تو شکایت نہ کیجیے ـــــ کہنے والا اس بات کا ضامن نہیں کہ آپ سمجھ بھی جائیں گے۔

اس سمندر کا داستان گو نہ جانے کب سے اپنی داستان بیان کر رہا ہے اور نہ جانے کب تک بیان کرتا رہے گا۔ لیکن اس داستان کا انجام نہ وہ بیان کر سکا اور نہ کوئی سننے والا اُس انجام کا تصور کر سکتا ہے ـــــ

اس سمندر کے طوفانوں کی ہر موج اس داستان کا ایک ورق ہے۔ لیکن پھر کیا ہوگا، اگر اس موج کو اُس کے سمندر سے جدا کر دیں ؟ میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کے بس کی بات نہیں ــــــ موج سے شناسائی اور سمندر سے بیگانگی !

ان طوفانوں میں جتنی ان گنت موجیں ہیں اتنی ہی لاتعداد کشتیاں بھی ہیں۔ ہر موج کو جو اٹھتی ہے آپ شمار کیجیے اور ہر کشتی کو جو غرق ہوئی، چٹان سے ٹکرائی یا موجوں کے تھپیڑے کھا کر کسی ویران ساحل پر اُلٹ گئی، آپ گن لیجیے ! ان کشتیوں میں بہت سی ایسی بھی ہوتی ہیں، جن کو بے پروا اور ستم پرور موجوں نے کسی پتھریلے ساحل پر پٹک دیا اور پھر کسی دن سمیٹ کر لے گئیں ! یعنے ان ٹوٹی ہوئی کشتیوں کو بھی موج کے آغوش میں جگہ ملتی ہے ــــ وہ بار بار پٹکی جاتی ہیں اور بار بار انہی آغوش میں سمیٹ لی جاتی ہیں ! جب تک اُن کا ایک تختہ بھی باقی ہے اُن کے اور موج کے درمیان یہ لگن باقی رہتی ہے ــــــ آپ اسے بے سروپا فلسفہ کہیں گے مگر میں اُسے وجدانِ حیات کہتا ہوں !

یہ ایک چھوٹی سی کمزور کشتی تھی ——— کوئی بڑا جہاز نہ تھا ——— اس کشتی کے بادبان پارہ پارہ ہوچکے تھے اُس کے پتوار ٹوٹ چکے تھے اور ملاح کی خبرگیری سے وہ محروم ہو چکی تھی! پھر بھی وہ تھی ایک کشتی! کتنی ہی سخت اور پھسلواں چٹانوں پر وہ پہنچی گئی، کتنے ہی ساحلوں پر اُس نے تنہائی کے دن اور کس مپرسی کی راتیں بسرکیں، لیکن پھر جن موجوں نے اس کو پٹخا تھا وہی اُس کو اُٹھا کر لے گئیں ——— سمندر کی نامعلوم وسعتوں اور گہرائیوں میں!! ——— پروردگان آغوش موج کی یہ داستان کوئی نئی تو نہیں ہے!

کسی ملاح نے موج اور کشتی کی اس آویزش پر ایک مثنوی لکھی تھی جس میں اُس نے کہا تھا کہ :-

"موج اور کشتی دو الگ الگ نام ہیں لیکن حقیقت ایک ہے ——— ایک ہی حقیقت میں یہ دو وجود ہیں۔ کشتی کے بغیر موج کی نمود کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ وہ سمندر کی ایک ٹھوکر ہے! اور بغیر موج کے کشتی کیا ہے سوائے چند تختوں کے جن کو بڑھئی نے اپنی آری سے کاٹا تھا اور لوہار نے

اپنے ہتوڑوں سے کوٹا تھا ـــــــ"

شاعر کے ان تصورات کو جب زندگی کے سانچے میں ڈھال کر دیکھیں تب ہی آپ کو خبر ہوگی کہ جس طرح بغیر موج کے کشتی بے جان ہے اسی طرح موج بغیر کشتی کے اپنی قوت پر مغرور اور اپنے سمندر میں سربلند نہیں ہو سکتی! اس قلزم ناپیدا کنار میں موج کا رقص اور موج کے رقص میں کشتی کے ہچکولے! سمندر کی ساری کائنات یہی ہے! ـــــ اور شاید اسی کو انسانوں کی اصطلاح میں جوانی بھی کہتے ہیں!!

مجھے معلوم نہیں کہ یہ کشتی کتنے چشموں اور دریاؤں سے گزرتی ہوئی، کتنے ساحلوں کو چھوتی ہوئی، کتنے سمندروں کے سینہ پر اچھلتی ہوئی، کتنے بادلوں کی کڑک اور کتنی بجلیوں کی تڑپ سے آشنا ہوتی ہوئی اس بظاہر آخری طوفان کے دامن تک پہنچی تھی جس سے میری داستان کا آغاز ہوتا ہے۔ بہر حال میں نے اس کو ایک ویران جزیرہ کے پتھریلے ساحل پر بہت شکستہ حالت میں پایا۔ وہ ایک تھکے ہوئے مسافر کی طرح دور ہی سے ان قافلوں کا خروش سن رہی تھی جو سمندر کے طوفانوں میں گزر رہے تھے لیکن ان تک پہنچ نہیں سکتی تھی! ـــــ اس کی خستگی اور

واماندگی سراپا انتظار تھی، مگر اُس کی اس بے چارگی میں بھی آغوشِ موج کے ہنگاموں کی تمنائیں بیدار تھیں!

جاڑوں کی یہ رت تھی۔ ویران جزیرہ کے ساحل پر وہ آخری منظر میں نے دیکھا تھا جب کہ ایک پرخروش اور غضبناک سمندر کی بے پروا موجوں نے اس کشتی کو اتنے چکر دیے تھے، اتنی دفعہ اچھالا اور گرایا تھا کہ اُس کے رقص کی ہر لرزش موت کی ہچکی کا آخری جھٹکا معلوم ہونے لگی تھی! کیا اسی کیفیت کو دنیا کے لوگ بڑھاپے کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں؟ لیکن کیا طوفان کی موجوں کے جھکولوں سے جدا ہو کر ساحل کی چٹانوں پر بکھر جانا کوئی ایسی انتہا ہے جو پھر کبھی اپنے آغاز کی طرف رجوع نہ ہوگی؟ کیا یہ کربِ وداع لذتِ بازگشت کی ضامن نہیں؟ کون کہتا ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ کسی دن پھر کوئی موج اس شکستہ کشتی کو یا اُس کے ٹوٹے ہوئے تختوں کو اپنی چادر میں لپیٹ کر نہ لے جائے گی اور پھر ایک دفعہ اپنے سمندر کے سینہ پر نہ رکھ دے گی؟ کیا ان ٹوٹے ہوئے تختوں کی یہ انتہا بھی اُن کے آغاز ہی کا دوسرا نام نہیں ہے؟ اور نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟

موسم سرما کی اندھیری رات تھی جس کی ظلمت کے سینہ میں ایک بے اختیار آرزو کی طرح، ایک بے محابا تمنا کی صورت، بجلیاں چمک رہی تھیں، اس طرح کہ گویا غضبناک دیوتاؤں کی فوجیں مصروف پیکار ہیں! دن کے سمندر کا نیلا پانی رات کی سیاہی سے اتنا سیاہ فام تھا کہ اگر چٹانوں کی سختی موجوں کے منہ میں کف پیدا نہ کرتی جس کے دھبے بجلی کی چمک کے ساتھ نظر آ رہے تھے ——— جیسے امیدیں مایوسی کی ظلمت میں ——— تو آسمان و زمین کی وسعتوں میں ایک زہرہ گداز خروش کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا ہوتا! موجوں کے سینہ کو کشتیوں کے پتوار۔ شیروں کے پنجہ کی طرح چیر رہے تھے! ہوا کا وہ فراٹا، بادل کی گرج، اور چٹانوں پر موجوں کے تھپیڑوں کی آواز ——— ارض و سما کی درمیانی وسعت میں یہ سارا خروش بقا سے فنا اور فنا سے بقا کی منزلوں کا ایک پھیلاؤ تھا جس میں ان مضطرب کشتیوں کی جوانی ہزار دفعہ بوڑھاپے کی منزلیں طے کر کے پھر ہزار دفعہ اپنے بوڑھاپے سے جوانی کی طرف عود کرتی ہے۔ یہ ہر دن اور ہر لمحہ کی

ایک مسلسل داستان ہے!

ہر نئی موج کے تھپیڑے میں اُس کشتی کے شکستہ پتواروں کی چڑچڑانے کی آواز آنے والے بوڑھاپے اور جانے والی جوانی کی کشمکش کا ایک کرب نا تمام تھا جس میں موج کے بازو کی قوت ایک طرف اور کشتی کی جہد حیات دوسری طرف اپنی اپنی قوت آزما رہی تھیں! ہر تھپیڑے کے بعد یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید یہی فنا کی آخری ضرب ہے لیکن مضطرب سمندر کی کھلی ہوئی گود میں کشتی کے تختوں کی مسکراتی ہوئی دراز ہر دفعہ ہنس ہنس کر موج سے کہتی تھی کہ "تو کس خیال میں ہے! میں کیونکر فنا ہو سکوں جب تک کہ تو باقی رہے!"

ویران جزیرے کے ساحل پر شاعر کی چشم نگران اس کشمکش کو دیکھ رہی تھی اور فلسفی حیران تھا کہ اگر اس طوفانی زندگی کا کوئی آخری مقام بھی ہے تو وہ کہاں ہے؟ ہے کوئی ایسا سکون مطلق جس کی خاموش وادیوں میں سمندر سو جائے اور موج بے خروش ہو جائے!

ابھی مشرق کی حد نظر پر ایک سرخ پردہ کی جھالر کو سمندر کی موجیں اپنے دامن سے دھو رہی تھیں اور رات کی تھکی ہوئی کشتی نے ساحل کے سامنے

دم لینا چاہا تھا کہ یکایک کسی زیادہ شریر موج
نے اس کے نیچے کاندھا مارا اور پہلے اس سے کہ یہ
سفینہ صبح کے سکون میں موج کی اس شوخی کے خلاف
کوئی احتجاج کرے۔ صرف ایک ہی جھکولے میں وہ
ساحل کی چٹان پر پھینک دی گئی! زندگی میں
بہت سے دن ایسے آتے ہیں جب سورج نکلتا ہے
مگر صبح نہیں ہوتی۔ یا جب صبح ہو جاتی ہے مگر سورج
نہیں نکلتا! لیکن زندگی کی بہت سی تنگ نظر وحدتیں
جو صبح کا انتظار کرتی ہیں یا سورج کو دیکھنے کی
تمنا رکھتی ہیں شاعر اور فلسفی سے مشورہ کیے بغیر ہی
مایوس ہو جاتی ہیں! ان بد نصیبوں کو خبر ہی نہیں
ہوتی کہ کوئی دن ایسا بھی ہوتا ہے جب صبح اور
سورج دونوں ساتھ ساتھ آتے ہیں ——— سورج
کی کرنیں صبح زندگی کے دامن سے لپٹی ہوئی آتی
ہیں۔ یہ صبح بہت روشن ہوتی ہے اور اکثر ایسا
ہوتا ہے کہ رات بھر کے کسی بہت خشمناک طوفان کے
بعد ہی وہ دن آتا ہے!

غضبناک سمندر کے آخری جھکولے نے کشتی
کے تختوں پر کیلوں کی گرفت بہت ڈھیلی کر دی تھی

اور ساحل کی ناہموار سطح پر دُور سے یہ ایک دھبّہ نظر آتا تھا جس پر موجیں اپنے جھاگ اڑا رہی تھیں۔ اس طرح جیسے برات کے دولھا کی سواری پر یا کسی تابوت پر پھول برسائے جاتے ہوں! دولھا کی سواری اور جنازہ کا درمیانی فاصلہ اتنا کم ہے کہ شاعر یا فلسفی جب جنازہ سے برات تک اور برات سے جنازہ تک منزلیں شمار کرتا ہے تو موت وحیات کے اس طومار میں کچھ بھی نہیں پاتا سوائے حیات کے! اُس کی نظر میں کشتی کا ٹوٹا ہوا ہر تختہ بجائے خود ایک کشتی ہے ـــــ بجائے خود ایک سمندر ہے!!

اپنی لکھی ہوئی اس داستان کو اُس کا لکھنے والا بار بار پڑھتا ہے اور ہر بار اُسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا "لیلی" کی یہ داستان ایک ٹوٹی کشتی کا تختہ ہے جو موج در موج ایک غیر محدود اور نامعلوم وسعت میں بہتی چلی جا رہی ہے! ـــــ ایک دوست نے تنقید کے دبے ہوئے لہجہ میں کہا "اُس شخص نے لکھا تو بہت خوب مگر ـــــ ان اوراق میں بار بار ایک ہی بات کو دہرائی گئی ہے!" یہ نگارندہ نقشِ وجود عرض کرتا ہے کہ "اپنی نظر کو کیا کروں؟"

—— کروں کیا اپنی تکرار پسند طبیعت کو! ہزار بار ایک ہی بات کو دھرا کر جی چاہتا ہے کہ دس ہزار بار دھراؤں۔ اُسے ہر تکرار میں اپنے تصوّرات کا ایک نیا زاویہ نظر آتا ہے۔ یہ اگر داستان طرازی کا عیب ہے تو ضرور عیب ہے! مگر لکھنے والا اور کہنے والا کم بخت اس ٹوٹی ہوئی کشتی کے ہر تختہ میں زندگی کے ایک پرشور سمندر کی آواز سنتا ہے اور ہر تختہ میں دس لاکھ کشتیوں کی آفرینش کا امکان پاتا ہے —— وہ شمار نہیں کر سکتا لیکن جانتا ہے کہ سمندر کی اس پنہائی میں کتنے لاکھوں نامعلوم جزیرے ایسے ہیں جن کے ساحلوں پر زندگی اور اس کے وجود کی حرارت ٹھنڈی راتیں گزارتی ہے اور گرم دنوں کا انتظار کرتی ہے! اُس کے تصوّر کی تصویر کے یہ چھوٹے چھوٹے اور منتشر ٹکڑے در اصل دھرائے نہیں جاتے —— جوڑے جاتے ہیں! آرٹ کے چھوٹے چھوٹے خطوط عامی نظروں میں نہیں سماتے، اُن خطوط کو زیادہ جلی کرنے کے لیے بار بار دھرانا ہی پڑتا ہے! بار بار اُن پر قلم رواں ہوتا ہے اور اُس کی ہر کشش کے بعد یہ خطوط پہلے سے زیادہ جلی اور واضح ہو جاتے ہیں۔ فن کی خوبی

اس تکرار میں ہو یا نہ ہو لیکن ارادہ کی قوت موجود ہے!!

نقادانِ سخن کی نکتہ نوازیوں سے بے پروا ہوکر یہ ضدی داستان گو اپنی ایک ہی داستان کہتا چلا جائے گا ـــــ ازل سے ابد تک ـــــ اس لمبی سڑک پر وہ کہتا چلا جائے گا! وہ گاتا چلا جائے گا وہ روتا چلا جائے گا!! کتنے ہیں جو اس دیوانہ داستان کو یاد کریں گے۔ کتنے ہیں جو بھول جائیں گے اور نہ معلوم کتنے ہیں جو اپنی زندگی کے ایک تاریک گوشہ کی اس تصویر کو پائے تحقیر سے ٹھکرا کر اُس کی گندگی سے اپنے زہر پر فریب کا دامن بچائے ہوئے گزر جائیں گے!! ـــــ دوسروں کی حقیقت کو تلاش کرنے کا ذوقِ باطل خود اپنی حقیقتوں کے قریب جانے سے کتنا گھبراتا ہے!! ـــــ "حجابِ اکبر" یہی ہے!!

مارچ ۱۹۴۴ء

(ع)
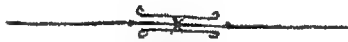
پہلا خط

آپ کی چند سطریں مختصر ہیں، مگر ناقابلِ فہم نہیں۔ میری زندگی میں آپ کا یہ عنایت نامہ اپنی قسم کا کوئی پہلا مکتوب تو ہے نہیں! برسوں گذر گئے کہ میرے دن اور میری رات کا زیادہ حصّہ اسی قسم کی اوبیانت کے ماحول میں گذرا کرتا ہے۔ یہ زندگی جو میں بسر کر رہی ہوں، میرے لیے اب نئی نہیں۔ آپ نے کیوں اپنے مافی الضمیر کو الفاظ کے پردہ میں چھپایا، شرمانے کا کوئی محل نہیں! یہی تو کہ آپ "راہ و رسم" پیدا کرنا چاہتے ہیں، آپ نے صاف ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ آپ بھی میرے حُسن کے خریدار ہیں! آپ نے شب کے دسترخوان پر میری شرکت اپنے لیے باعثِ مسرت بتائی ہے۔ آپ نے یہ کیوں نہ فرما دیا کہ آپ کی منزل دسترخوان کی حدود سے کچھ آگے ہے!! کیا نہیں ہے؟ بندہ نواز! کسی دوکان پر جائیے تو استعارہ اور اشارہ سے قطعِ نظر کر کے گاہک کی طرح کھُل کر سودا کیجیے! آپ کہیں گے کہ آپ نے اپنے خط میں آدابِ حجاب و حیا کو ملحوظ رکھا۔ مگر میرے لیے اس پردہ کی کیا ضرورت ہے؟ میں جو شب کی چند ساعتوں لیے میں اس تمام رسمی حجاب و حیا سے دست بردار ہو کر اپنی نسوانیت کو آپ کے آغوش میں عریاں کر دینے والی ہوں، کیا حق رکھتی ہوں کہ حسن کی اس سوداگری میں آدابِ حجاب و حیا کا کوئی معیار قایم کروں! قصّہ مختصر اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں بقول آپ کے آج شب کو آپ کی مہمان بنوں، تو مجھے عذر ہی کیا ہو سکتا ہے؟ عذر ہوتا تو میں سربازار اپنی تجارت کا اشتہار ہی کیوں دیتی! میں تو خود ہی اربابِ ذوق کو بے تکلف دعوت دیتی ہوں کہ مجھے دعوت دیجیے!

دوسرا خط

بندہ پرور! شب گذشتہ کی مہربانیوں کا شکریہ، اور پھر مزید یاد آوری کا شکریہ، آپ اپنے اظہار التفات کو اس ناچیز پر کیوں ضائع کرتے ہیں۔ شب کا لطف و کرم ضروری نہیں کہ صبح کو بھی باقی رہے۔ مجھے میری جگہ پر رہنے دیجیے اب یوں سمجھیے کہ آپ نے ایک کھلونا خریدا تھا، جس سے شب بھر آپ اپنا دل بہلاتے رہے اور میں یہ سمجھوں کہ جو کچھ آپ کی جیب سے نکال لائی وہ میرا سرمایہ تجارت ہے۔ اس کے علاوہ عشق و حسن کے سارے تذکرے محض تضیع اوقات ہیں، میں آہ سرد اور لب خشک کی منزل سے بہت آگے نکل گئی ہوں۔ وہ طلسم جب مرد اور عورت باہم مبتلا ہوتے ہیں، میرے لیے محض بے معنی ہے۔ آپ کی بھری ہوئی جیب اور میرا حسین جسم، یہی دو چیزیں ہیں جن پر میرے آپ کے تعلقات کا انحصار ہے۔ آپ کے عیش کا مدار آپ کی جیب پر۔ میری آسائش کا انحصار میرے چہرہ اور جسم کی خوبصورتی پر۔ معاف کیجیے میری جوانی نے ایک دنیا دیکھی ہے، آپ ابھی نوجوان ہیں۔ اس لیے صاف صاف کہتی ہوں کہ میری کتاب زندگی کا وہ باب ختم ہو گیا، جب میں آپ کے اظہار التفات سے خوش ہوتی۔ آپ بھی اس جھگڑے میں اپنی جان نہ پھنسائیں۔ مجھے دیکھ کر اگر آپ کی جوانی کا گرم خون زیادہ تیز دوڑنے لگتا ہے تو اپنے غرور مردانگی کو میرے حسن سے تسکین دیجیے۔ مگر اس کھیل کو کھیل ہی سمجھ کر کھیلیے۔ میں اپنی نسوانیت

فنا کر چکی ہوں۔ آپ کا جی چاہے تو اپنی جوانی اور اُس کے ساتھ اپنی دولت مجھ پر لٹائیے، مگر انداز عاشقانہ کی شعریت سے مجھے معاف ہی رکھیئے! میں ایک بازاری شراب ہوں جو مدہوشی تو کر سکتی ہے، مگر اُس سے کسی کیف اعلیٰ کی توقع فضول ہے۔ اگر میری آپ کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا تو شاید کبھی اپنی داستان زندگی کے چند حرف آپ کو سناؤں، مگر وہ ایک انجمن ہے جس میں کوئی میرا شریک نہیں۔ میرے نرم بستر میں بہت سے شریک ہیں، میرا جسم بہت سے دل جلوں کا مشترکہ سرمایہ ہے، مگر میرا ماضی صرف میرا ہی ہے۔ آپ کے پاس روپیہ ہے میرے پاس حُسن ہے۔ آپ کہتے ہیں آپ کے پاس دل بھی ہے، شاید ہو، مگر یہ شئے اب میرے پاس نہیں ہے، اُس کی جستجو فضول ہے۔ ساز کے اُس تار کو نہ چھیڑیئے جو ٹوٹا ہوا ہے ——— اُس میں آپ نغمہ نہ پائیں گے!!

تیسرا خط

محبت عزیز۔ کتنے دن ہوئے جب پہلی دفعہ میں آپ کی مہمان ہوئی تھی کتنے دن ہوئے جب آپ نے اپنی جوانی مجھ پر ضایع کرنا شروع کی تھی۔ وہ آپ کی (میری نہیں!) پہلی شب مجھے یاد ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ایک ایسے صید زبون ہیں! یاد ہے آپ کو میں کتنی دفعہ کہہ چکی ہوں کہ ورائے امکان نہ جانے کیسے ہو نہیں ہے اُس کو نہ مانگیے۔ کل رات پھر آپ نے اپنے اظہار تعشق کی بہت دیر

گرم گرم آنسوؤں اور اُلجھی ہوئی ہچکیوں سے تائید کی!! مجھے آپ نے بالکل تھکا دیا!!
آپ کو کیونکر یقین دلاؤں کہ یہ ہنگامے میرے لیے ایک ذرہ دلچسپ نہیں۔ میں
اپنی نسوانیت، اور اپنی نسوانی آبرو، سرِ بازار فروخت کیا کرتی ہوں اور لوگ
اُس کو سرِ بازار ہی خرید اکرتے ہیں۔ یہ میری زندگی کا کاروبار ہے۔ مگر آپ اس
حقیقت کو بھولنے پر مصر ہوتے ہیں۔ آپ کی وارفتگی ہزار دفعہ مجھ سے اُلجھیگی اور
دو ہزار دفعہ یہی جواب پائے گی۔ میرے پاس کوئی دوسرا جواب نہیں۔ آج میرا
آنا ناممکن ہے۔ کل یا پرسوں آپ یاد فرمائیں گے تو میں ضرور آؤں گی۔ مگر آپ
کو وعدہ کرنا ہوگا کہ آئندہ آپ کی عاشقانہ بے جبری مجھے نہ ستائیگی۔ آپ بچوں
کی طرح ایک بے اصل پرچھائیں کو پکڑنا چاہتے ہیں اور وہ ہاتھ نہیں آتی تو
مچلتے ہیں۔ بندہ نواز! جس منزل پہ ہم دونوں آگئے ہیں وہی ہمارے سفر کی
انتہا ہے جتنا بھی آپ دوڑیں گے صرف اسی منزل پر پہنچیں گے اور یہ گردشِ پرکار
کسی دن آپ کو خود تھکا دیگی! اس منزل کے آگے ہمارے راستے جُدا ہیں۔ چلیے
جہاں تک میں آپ کے ساتھ چل سکوں لیکن اگر اس کے آگے جانا ہو تو پھر تنہا
جانا ہوگا!

چوتھا خط

وارفتہ جنوں! رات آپ منتظر رہے ہونگے، اپنے نہ آنے کی وجہ بیان

کروں تو تم کہو گے کہ یہ عورت کس درجہ سنگ دل ہے۔ مگر کروں کیا، واقعات کو چبا چبا کر بیان کرنے کی عادت نہیں۔ شروع ہی سے کوشش کر رہی ہوں کہ تمھیں کسی طرح حقیقت شناس بناؤں تم میرے دامن کے گندہ دھبوں کو اپنی آنکھ سے دیکھو، میری حسن کی زینت و آرائش سے جو محض ایک کاروباری اشتہار ہے دھوکہ نہ کھاؤ۔ تمھاری انسانیت کو اپنی انسانیت سے بہتر سمجھتی ہوں اور گو کہ تم سے محبت نہیں کرتی مگر تمھارا بھلا چاہتی ہوں۔ تم نے ابھی بازار حسن کے نشیب و فراز میں قدم رکھا ہے، دھوکہ کھا گئے تو گئے گذرے، میرا کیا ہے تم کو ہاتھ سے کھو بیٹھوں تب بھی دنیا احمقوں سے خالی نہیں!

پیارے دوست، گو کہ میں تمھارے اظہار تعشق سے متاثر نہیں ہوتی، نہ ہو سکتی ہوں، تاہم یہ نہ سمجھو کہ میں تمھارے آغوش میں اپنے لیے کوئی راحت نہیں پاتی۔ ”در قسمت بُری سہی یہ طبیعت بُری نہیں“ میری زندگی ناپاک ہے مگر اس عشوہ فروشی کے بازار میں آنے سے پہلے مجھے علم و تہذیب و شرافت کی اتنی دولت حاصل ہو چکی تھی جتنی کہ عام طور پر شاید اچھے گھرانوں کی بہو بیٹیوں کو بھی حاصل نہ ہوتی ہو۔ اس بیان کو خود فریبی اور پندار پر محمول نہ کرنا حقیقت یہ ہے کہ جوہر اصلی کچھ میرے پاس بھی تھا؛ فطرت الٰہی نے مجھے بھی میرا حصہ دیا تھا، مگر میرے قلب کو میری زندگی نے تلخ کام کر دیا ہے۔ اب میں دل ہی دل میں اپنے وجود سے شرمایا کرتی ہوں۔ مگر اس مکروہ دنیا اور مکروہ تر دنیا والوں نے جہاں پھینک دیا؛ جس گندگی میں ڈال دیا اُسی میں مبتلا ہوں اور اسی گناہ کی بھاری مگر طلائی زنجیریں میرے پاؤں میں ہیں۔ پھر بھی یہ نہیں کہ حس باقی نہ ہو۔ حس

باقی نہ ہوتی تو میں تم سے اس طرح کی باتیں نہ کرتی۔ تم جب اظہارِ عشق کے ہجوم سے بیتاب ہو جاتے ہو اور اپنی تقریروں کے جواب میں مجھ سے ایک حرف محبت کبھی نہیں پاتے ہو اور پھر مجھ سے کیا کیا احمقانہ سوالات کیا کرتے ہو۔ کبھی کہتے ہو "دو لیلی! تم خفا ہو گئیں" "دو کیا تم کبھی مجھ سے محبت نہیں کر سکتیں"؟ "کیا میری محبت کبھی سرسبز نہیں ہو سکتی؟" "دو تم اتنی سنگ دل ہو" "تم اس قدر بے پروا ہو" "تم اس قدر بے حس ہو" "دو تمھارے ساز کے کسی تار میں آواز نہیں" "دو تم ایک تودۂ برف ہو، تم ایک بھاری پتھر ہو، تم ایک بیجان تصویر ہو، تم ایک دریا ہو جس کا پانی منجمد ہے اور متحرک نہیں ہو سکتا۔ تم ایسی کیوں ہو؟" پھر تمھیں میری موجودہ زندگی یاد آتی ہے اور تم میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر بار بار مجھ سے کہتے ہو "کیا تم اپنے ہر دوست کے ساتھ ایسی ہی ہو؟ تم نے کبھی محبت کا مزا نہیں چکھا؟ کیا وہ خوش نصیب اب تک پیدا نہیں ہوا جس کو تم دل سے پیار کر سکو؟" غرض پیارے دوست! تم نے کتنی راتیں اس طرح ضائع کی ہیں، تم ایک ویرانہ میں آبادی ڈھونڈتے ہو، ایک ریگستان میں مرغزار چاہتے ہو، تم اپنی محبت کے آغوش میں ایک ہمدم و مونس مانگتے ہو۔ یہ کچھ بھی تمھیں نہیں مل سکتا! ہاں تمھارے آغوش میں ایک نازک جسم سما سکتا ہے، تمھارے پہلو میں ایک حسین چہرہ آ سکتا ہے، تمھارے شانوں پر معطر بال بکھر سکتے ہیں، مگر اس سے زیادہ کچھ نہ مانگو۔ کچھ نہ چاہو!!

ایک دن جب تم بار بار مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ "دو آخر تم ایسی کیوں ہو؟" تو شاید میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ کبھی ممکن ہوا تو بتاؤں گی کہ میں ایسی کیوں ہوں۔

اِس عرصہ میں کئی دفعہ ایسا ہوا کہ جب تمھاری اس وارفتگی پر میں اپنے نفس کو ملامت کرتی تھی تو خیال آیا کہ لاؤ آج تمھیں ایک داستان سناؤں۔ مگر دل نے کہا کہ ابھی تو اِس نوجوان کی عقل بھی ٹھکانے نہیں، یہ وارفتگی کم ہو اور اُس کے حواس درست ہوں تو کچھ کہوں۔ تم کو دیکھتی ہوں کہ تمھارا پاؤں اس چکنی زمین پر کسی طرح نہیں جمتا۔ تم جس گندہ تالاب کو طوفان خیز سمندر سمجھ رہے ہو اُس میں تمھارے لیے پایاب جانا مشکل نہ تھا مگر اس کو کیا کروں کہ تم سمجھتے ہو کہ تم ایک بحرِ ناپیدا کنار میں ہو! حالانکہ طوفان خیز سمندر اور چھوٹا سا تالاب دونوں کی اصلیت ایک ہے۔ یہ سب تخیل ہے، سمندر کا طوفان اور تالاب کا سکون، سب ایک دھوکہ ہے، تم چاہو تو سمندر تالاب اور تالاب سمندر نظر آئے، وہ جو ایک تخیل دماغ میں پیدا ہوتا ہے وہی اصل ہے، باقی سب فروع ہیں۔ تمھارے دماغ میں سمندر بھی ہے اور تالاب بھی اور در اصل دونوں ایک ہیں۔ مگر جب تم آنکھیں بند کر کے اس امر پر اصرار کرو کہ تالاب درحقیقت سمندر ہے تو پھر پانی کا ہر قطرہ تمھارے لیے طوفان خیز ہوگا!۔ تم نے بہت سے فلسفی اور حکیم دیکھے ہونگے۔ میں ایک حُسن فروش فلسفی ہوں!!

کمھار نے ایک خوبصورت آبخورہ بنایا، لوگوں نے اس کو جامِ صہبا بنالیا، یا کمھار نے ایک جامِ صہبا بنایا اور لوگوں نے اُس کو آبخورہ سمجھ کر مسجد کی دیوار پر رکھ دیا۔ تو پھر کیا اُس مٹی کی حقیقت بدل گئی؟ پیالہ میں چاہے شراب بھر دو چاہے زمزم، عورت کو بیسوا بنادو یا گھر کی ملکہ، جو چاہے بنادو! مردوں نے جیسا چاہا عورت کو ویسا ہی بنادیا، گھروں کی چار دیواری میں بند کرکے غلام

بنادیا، مذہب کے دو بول سُنا کر اپنے نفس کا خدمت گزار بنادیا۔ بازاروں میں بٹھا کر برباد کر دیا، ہیرے کی چمک تم نے چھین لی، اور جو سنگریزہ بچا اُس کو مٹی میں ملادیا، موتی کی آب تم اُڑا لے گئے اور باقی جو کچھ رہا اُس کو ہوا میں اُڑا دیا۔ — اب رہا کیا ہے کہ تم عشق و عاشقی کی داستان لے کر آئے ہو! —

تم میری اس خرافات سے اُکتا جاتے ہوگے، مگر جو کچھ کہتی ہوں اُس کے پردوں کو اُٹھا سکو تو اٹھاؤ اور مجھ سے کچھ عقل سیکھو!

آج کی شب خالی ہے، میرا یہ خاص مشغلہ ہے کہ جب میرے سوا میری خلوت میں کوئی نہیں ہوتا، چاہنے والوں کے ہجوم سے نجات پاتی ہوں اور بستر میں (جو مجھ کم بخت کو بہت کم خالی ملتا ہے) جاکر لیٹتی ہوں، تو اپنے عاشقوں کو معہ اُن کی عاشقی کے تمام ساز و سامان کے بھول جاتی ہوں، اور تھوڑی دیر کے لیے میں خود عاشق بنتی ہوں اور اپنے وجود معنوی کو اپنا معشوق بناتی ہوں، گویا ایک دوسرا کوئی ہوتا ہے جس کا سر میں اپنے بازو پر رکھتی ہوں اور کہتی ہوں، "لیلیٰ! کم بخت لیلیٰ! بدنصیب لیلیٰ! کیا آج فرصت ہے، تعطیل ہے؟ تھک گئی ہے؟ کچھ ڈھونڈھ رہی ہے، کوئی یاد آتا ہے؟ یہ رات خالی ہے، جا، سو جا! کل پھر سارے ساز و سامان کے ساتھ دوکان لگانی ہوگی، خریدار آئیں گے سودا چکایا جائیگا، کم و بیش کے اشارے کنایہ ہونگے، تو اپنے حُسن کا غرور دکھائیگی اور خریدار اپنی دولت کا زور! آخر شکست تجھ ہی کو کھانی ہوگی! — تہی دست قسمت! سو جا! —

پانچواں خط

شکر ہے کہ آپ اپنی بے قراری اور بے صبری کی لگام کھینچے رہنے کا
وعدہ فرماتے ہیں! میں شام کو آؤں گی۔ برسات کے زمانہ میں جو عقلمند ہوتے
ہیں وہ ایک کے بجائے دو چھتریاں رکھتے ہیں، ضرورت کے وقت ایک گم
ہو جائے تو دوسری کام آئے، عقلمند مرد بھی صرف ایک ہی عورت کو اپنی خلوت
کا کھلونا نہیں بناتا، کئی رکھتا ہے تاکہ راتیں ضائع نہ ہوں! جب مجھے تمہارے
پاس آنے کی فرصت نہیں ہوتی تو ساری رات تنہا پڑے ہوئے جلتے بھنتے رہتے
ہو، اگر وہ دوسری چھتری کا انتظام بھی رہے تو تمہاری رات میری وجہ سے
کیوں ضائع جائے! ایک ہی عشوہ فروش پر قناعت نہ کرو، تمہاری ہوس کے
ترکش میں ایک سے زیادہ تیر رہنے چاہییں! مجھے دیکھو کہ میں ایک رنگین تتلی کی
طرح ہر چمن میں جاتی ہوں اور ہر پھول سے دو باتیں کرتی ہوں۔ تم بھی شہد کی
مکھی کی طرح بہت سے پھولوں کی پنکھڑیوں پر تھوڑا تھوڑا وقت گذارو۔
تا آنکہ زندگی کی صبح، شام ہو جائے!! تم کہاں میرے فلسفہ کی الجھنوں میں پھنس کر
رہ گئے، یہ فلسفہ بہت خشک اور تلخ ہے! مجھے دیکھو میں ایک آب تند و تیز
سے بھری ہوئی مینا ہوں، میرا نشہ تیز ہے مگر عموماً دیرپا نہیں۔ میں تنہا کتنے
ساغر بھرتی ہوں اور کتنے بادہ پرستوں کا بھلا کرتی ہوں۔ تم بھی ایک

چھلکتا ہوا ساغر بن کر محفلوں میں رقص کرو، یا پھر اس میخانہ کی طرف رُخ ہی نہ کرو! ــــ کسی زمانہ میں (اور حیف کہ وہ زمانہ اب نہ آئیگا!) جب میں لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کے قصے پڑھا کرتی تھی تو یہ ناکردہ گناہ قلب اس جہان بے اختیاری اور عالم بیخودی کی کیسی کیسی خوابیں دیکھا کرتا تھا۔ مگر معلوم ہوا کہ زندگی کی کشاکش میں اتنی گنجائش اور فرصت نہیں کہ انسان تخیل کی شعبدہ بازی میں اپنا وقت گذارے ۔جب زندگی کا مدار غذا کے چند لقموں پر ہو اور روح کا تعلق منحصر ہو معدہ کی اعانت پر، جب ہوس پیٹ کے لیے اچھا کھانا مانگے اور جسم کے لیے سامانِ زینت تو پھر اتنی مہلت کہاں کہ

بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے!

زندگی کے مکروہات تم کو تنگ نہیں کرتے، جسم و جان کا اطمینان حاصل ہے، معاش کی فکر نہیں، کوئی ایسا کام نہیں جس کا ہر روز انجام دینا حصول معاش کے لیے ضروری ہو۔ صبح سے شام تک وقت اپنا ہے اور خالی ہے ۔ لیلیٰ مجنوں کی کہانیوں کا خواب دیکھا کرو۔ ہضم صحیح ہو، معدہ قوی ہو، صحت درست ہو، تولید خون کافی ہو، تو پھر یہ خواب بہت دلفریب ہے، لیکن جب حال وہ ہو جو میرا ہے تو پھر دیکھو کہ کیونکر گذرتی ہے۔ مجھے دیکھو کہ میں نے ایک پیشہ، ایک وسیلہ معاش اختیار کیا ہے، یا یوں کہوں کہ مجھے ایک پیشہ نے اختیار کر لیا ہے

میں آپ آئی نہیں لائی گئی ہوں!

تو بھلا میں فروعات میں اپنا وقت کیوں ضائع کروں ۔ پھر کہتی ہوں کہ اگر آپ عورت اور اس کے حُسن ظاہر سے لُطف اندوز ہونا چاہتے ہیں ــــ جس طرح شکاری

محض اس لیے ہرن کے گولی مارتا ہے کہ اُس کے بہیمانہ قویٰ اپنی قوتِ حیوانی کی مستی کا نظارہ کریں اور اُس کا نفس مسرور ہو ـــــ تو اِس چمن میں تنگیٔ اماں نہ ہونی چاہیے۔ توڑنے اور مسلنے کے لیے پھول بہت ہیں!!

میں جانتی ہوں آپ کہتے ہونگے کہ یہ عورت کس قدر بے حس اور بے حیا ہے۔ جناب قیس! آپ کی لیلیٰ نہ بے حس ہے نہ بے حیا ہے، وہ اِس فریبی دنیا کی ایک ستم رسیدہ بیٹی ہے! وہ اگر "حیا" اور "حس" کی اصطلاحات پر غور کرنے لگے تو کھائے کہاں سے؟ زندہ کیونکر رہے؟ آپ کے درسِ اخلاق سے اگر وہ متاثر ہونے لگے تو پھر دنیا والے نہ اُس کو مرنے دینگے نہ جینے دینگے، اب اتنا تو ہے کہ وہ اپنی گناہ کی دُنیا میں کسی نکتہ چیں کی پروا نہیں کرتی! آپ جو اپنی عشق و عاشقی کے ساتھ ساتھ اصلاحِ نفوس و اخلاق کا علم بلند کر رہے ہیں اور مکار صوفی کی طرح "مجاز" و "حقیقت" اور "حقیقت" و "مجاز" کے درمیانی خلا میں مکڑی کا جالا بُن رہے ہیں - یہ ایک احمقانہ حرکت ہے اور میری نظر میں تمسخر انگیز! آپ گویا میرے اپنے تعلقات کو ایک آسمانی برکت سمجھ رہے ہیں اور میں ـــــ میں سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھتی کہ میری دوکان کے گاہکوں میں سے ایک آپ بھی ہیں!

حقیقت ناآشنا! تمھارے آغوش میں مجھ جیسی عورت اپنی عشوہ طرازی کے لاکھوں تماشے دکھا سکتی ہے، لیکن تم جو چاہو کہ پانی کی مچھلی خشکی پر دوڑا کرے یا جنگل کا ہرن پانی کے اندر اپنا مسکن بنائے، یا شیر اپنا گھونسلا درخت کی شاخوں میں بنائے تو یہ غلطی تمھاری ہے "مچھلی مچھلی، ہرن ہرن، اور شیر شیر ہی رہیگا! تم میخانہ میں جاکر وضو کے لیے پانی مانگو، یا مسجد میں بیٹھ کر مئے گلفام کی صراحی

جیب سے نکالو تو دُنیا کیا کہے گی ؟ تمھارے تخیل کا رہوار کس قدر اُلٹے پانوں چلتا ہے

چھٹا خط

میرے مہربان! تم پوچھتے ہو کہ رات تمھارے آغوش میں میں رُو کیوں رہی تھی ؟ تم میرے رونے پر اس قدر حیران ہو کہ گویا تمھارے خیال میں میری آنکھوں میں آنسو پیدا ہی نہیں ہوتے! اُس نادان کا تصوّر کرو جو محفل میں ایک ستار اُٹھا کر بجانا چاہتا ہے اور اُس کو بجانا جانتا نہ ہو اور پھر جب اُس کے تاروں میں سے کسی ایک تار کو اس نادان کی اُنگلی مس کرے تو وہ سوچے کہ اُس تار سے یہ آواز کیوں پیدا ہوئی وہ کیوں نہ نکلی جو اُس کے خیال میں نکلنی چاہیے تھی، وہ یہ کیا جانے کہ اِن تاروں کی ترکیب کیا ہے۔ وہ بار بار اُن پر ہاتھ مارے اور پھر شکوہ کرے کہ اُن سے نغمہ نہیں نکلتا اور محض شور پیدا ہوتا ہے، مگر یہ نادان نہ اُن تاروں سے واقف ہے نہ اُن کی موسیقی سے آشنا ہے۔ نہیں جانتا کہ کس تار کو چھیڑ رہا ہے اور اُس کی آواز کیا ہوگی۔ اسی طرح تمھیں کیا معلوم کہ میرے ساز خاموش میں کتنے تار ہیں۔ جب کسی نادان کی مضراب اُن میں سے ایک کو چھو جاتی ہے تو موسیقی کی ایک بے اختیار چیخ فضا میں گونجتی ہے اور وہ نادان نہیں جانتا ۔۔۔ نہیں جان سکتا ۔۔۔ کہ یہ سوز و ساز کہاں سے آیا! تم کیا جانو۔ تم کیا جان سکو ۔۔۔ کہ عورت کے آنسو کے اندر موسیقی کی ایک دنیا موجود ہے۔

آہ، تم کہ میری آنکھوں کے سُرخ ڈوروں کو دیکھ کر مست ہو جاتے ہو، میرے آنسوؤں کے موسیقی کو کہاں پاؤ ــــ یہ میرا راز ہے!

عورت زندگی کی موسیقی اور شعر سے لبریز ہے۔ کیا تمھیں بھی اِس کی خبر ہے؟ میرے دوست ایک نادان تیمار دار کی طرح جو نہیں جانتا کہ مجروح کے جسم پر چادر سے ڈھکے ہوئے کتنے زخم ہیں اور کہاں کہاں ہیں، پھر نادانستہ جہاں چاہتا ہے ہاتھ لگا دیتا ہے، اور جب اُس تکلیف سے مریض چیختا ہے تو حیران ہوتا ہے کہ وہ چیخا کیوں، تم کہاں کہاں میرے زخموں کو چھیڑ دیتے ہو اور نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہو۔ پھر اگر بس درد و کرب سے تلملا جاتی ہوں تو سوال کرتے ہو کہ "تم روئیں کیوں؟" تم کو خبر نہیں کہ تم میرے شکستہ ساز کے تاروں سے کھیلتے ہو۔ تمھاری طرح بہت سے مرد کھیلتے ہیں ــــ کھیلتے کھیلتے، کتنے ہی تار توڑ ڈالے جن کی موسیقی ہمیشہ کے لیے ناپید ہو گئی، شاید ابھی کوئی تار سالم باقی ہو، اُس کی جستجو نہ کرو، مبادا تمھاری بے حس انگلیاں اُس سے بھی کھیلنا چاہیں! مرد اپنی بنائی ہوئی ایک بیوقوفوں کی دنیا میں رہتا ہے۔ وہ دوسروں کی حالت کو ــــ خصوصاً عورت کی حالت کو ــــ اپنے خود ساختہ معیار سے جانچتا ہے اور پھر اُس خود فریب کو اپنے اندازہ پر اتنا وثوق ہوتا ہے کہ وہ بغیر سمجھے جو چاہتا ہے بکے جاتا ہے! ماشاء اللہ! میرے رونے کے کیا کیا تمسخر انگیز وجوہ تمھارے خیال میں آئیں۔ تم کہتے ہو، "کیا مالی مشکلات پریشان کر رہی ہیں؟" "کیا کوئی یاد آیا؟" "کیا کسی سے کوئی تکلیف پہنچی؟" میرے حسن پرست دوست! میرے آنسوؤں کو بھی تم ایک ادائے حسن سمجھو اور اُس دیو کو جو تمھارے اندر ہے۔

ہر مرد کے اندر ہوتا ہے۔ یوں سمجھا دو کہ عورت کے آنسو بھی مرد کے لیے ایک کیف رکھتے ہیں، عورت کو کبھی کبھی رُونا بھی چاہیے، کہ آنسوؤں کی جھڑی حُسن میں ایک ایسی جھلک پیدا کرتی ہے، جو بجائے خود مرد کے عالم مستی میں طرب انگیز ہوتی ہے!! ــــ مرد ہر دفعہ عورت سے ایک نئی ادا مانگتا ہے اور اپنے لیے صرف ایک ہی انداز حیوانیت کافی سمجھتا ہے۔ وہ عورت کے ہمیشہ ہنسنے سے بھی تھک جاتا ہے اور پیہم رُونے سے بھی اُکتا جاتا ہے، وہ ہر کیفیت عارضی چاہتا ہے، اُس کی حیوانیت کے نشہ کو جرعہ ہائے پیہم کی امداد درکار ہے۔ اُس کا دیو عورت کے خون سے بھرے ساغر ہر وقت اپنے ہاتھ میں چاہتا ہے تاکہ اُس کا نشہ قائم رہے ــــ اے نافہم تیرے اس نشہ کی آخری گھڑیاں کس قدر کٹھن ہوتی ہیں!!

ساتواں خط

دردنا آشنا! تم کیوں اپنے دل کو دھوکہ دے رہے ہو، تم بے لگام جا رہے ہو! تمھارا ادعائے عاشقی اس طرح ساری فضا میں گونجتا ہے کہ گویا تمھارے عشق اور میرے حُسن کے سوا اِس عالم میں کچھ بھی نہیں! گویا کہ یہی دو چیزیں حاصل کائنات ہیں! تم سمجھتے ہو کہ تم شاید پہلے آدمی ہو جو میرے ساتھ مبتلائے عشق ہوئے، جس نے سب سے پہلے میرے حُسن کی دہلیز پر سجدہ کیا! اور پہلا

شاید پہلی عورت ہوں جس کے ساتھ کسی مرد نے عشق کیا! کبھی سناؤں گی کہ میرے کیسے کیسے عاشقاں جانباز ہر روز تشریف لاتے ہیں جو عشق کی دوڑ میں تم سے کوسوں آگے جا رہے ہیں! اس فہرست کے بہت سے ناموں میں سے ایک تمہارا نام بھی ہے جو لکھ لیا گیا ہے! اور کیا چاہتے ہو؟ مانا کہ تم عشق صادق ہو، مگر خدا کے لیے یہ کیا زبردستی ہے کہ معشوق بھی بننا چاہتے ہو، کوئی چاہنے والا زبان سے نہ کہے مگر چاہتے سب یہ ہیں کہ جس طرح وہ چاہتے ہیں اُن کو بھی چاہا جائے! آخر کیوں؟ معشوق نے کب آپ سے التجا کی تھی کہ آپ تشریف لائیے اور اُسے چاہنا شروع کیجیے، اگر آپ مجبور ہیں کہ مجھے چاہیں، تو بسم اللہ. چاہیے اور دل بھر کر چاہیے! لیکن یہ کیا منطق ہے کہ چونکہ آپ مبتلا ہوئے ہیں اس لیے آپ کا معشوق بھی آپ پر مرنے لگے! عزیز دوست، تمھاری سادہ لوحی مجھے عزیز ہے۔ محبت ایک کیفِ زندگی ہے، ناقابلِ بیان، اگر کو نصیب ہو تو تمھارا یہ ابتلا مبارک ہے، مگر مجھ سے فرمائشی محبت کی توقع کیوں ہے؟ گویا تم نے مجھ سے کہا کہ ہمیں چاہو اور میں نے اسی لمحہ سے تمھیں چاہنا شروع کر دیا! یعنی تمھارے کہتے ہی یہ دو طرفہ عشق شروع ہو گیا، کیا خوب! باورچی کی دوکان پر آپ کھانا کھانے گئے اور اُس سے کہا کہ تو بھی کھا، لیکن اگر وہ صبح سے شام تک ہر کھانے والے کے ساتھ کھانے بیٹھ جایا کرے تو سخت بدہضمی کے سوا نتیجہ کیا ہوگا۔ اُس کی دوکان کا ہر خریدار اپنا پیٹ بھر کر اپنے راستے جائیگا، لیکن وہ بیچارہ اغلباً ضعفِ معدہ کے مرض میں مبتلا ہو کر عمر بھر ایڑیاں رگڑا کریگا!! میں تو آج تک یہ نہ سمجھی کہ آخر تمھیں

وہ شکایت کیا ہے، کیا میں تمھارے پاس آتی ہوں تو گھنٹوں تمھارے آغوش میں نہیں رہتی، تم مجھے پیار کرتے ہو تو کیا میں تمھیں پیار نہیں کرتی، تم حال دل بیان کرتے ہو تو کیا میں توجہ کے ساتھ نہیں سنتی۔ ساری مشکل یہ ہے کہ تم تانبے کو زر خالص سمجھ رہے ہو، تم سے کہتی ہوں کہ میں وہ نہیں جو تم سمجھتے ہو، اور یقین نہیں کرتے! اپنی گنہگار زندگی کو تمھارے سامنے عریاں پیش کرتی ہوں اور تم آنکھیں بند کر لیتے ہو، اپنے وجود کے ناپاک دھبّوں کو دکھاتی ہوں اور تم نہیں دیکھتے، پھر مجھے اپنے اضطراب بے محابا اور اپنی بے اختیاریوں سے پراگندہ خاطر کرتے ہو! تم طعنہ دیتے ہو کہ تیرا دل سخت ہو گیا ہے اور اس گناہ کی زندگی میں تو بے حس ہو گئی ہے۔ تمھارے الفاظ خوب ہیں یعنی "اُس پھول نے جو باغوں میں صبا کا ہم نفس ہوتا ایک زہریلی زمین میں پرورش پائی"، تم غلط کہتے ہو، نہ پھول کا قصور ہے نہ زمین کا۔ اُس نے تو ویسی ہی پرورش پائی جیسی کہ ہر پھول پاتا ہے، وہ تو اُسی زمین میں پیدا ہوا جس میں ہر پھول پیدا ہوا کرتا ہے، لیکن کسی گلچین نے، باغ کے کسی چور نے، اس کو سرِ شاخ سے چُن کر گنہگاروں کے گلے میں ڈال دیا کہ وہ اُن کی سیاہ مستیوں میں روندا جائے اور کچلا جائے۔ دنیا بے باک اور سفاک موذیوں سے بھری ہوئی تھی جن کا تمام تر وجود حیوانی عورت کا گلا گھونٹنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے، ہماری — ہم عورتوں کی — زندگی کو، کہ ہم دنیا میں تمھاری آسائش اور اپنی آرائش کے لیے بھیجے گئے تھے، تم — تم مردوں نے — تلخ کر دیا، برباد کر ڈالا۔ دنیا کی لاکھوں اور کروڑوں عورتیں جن کو کارساز حقیقی نے

گھروں کی رونق، دلوں کی آسودگی، آشفتہ حال انسانوں کی راحت اور دنیا کے تھکے ہوئے مسافروں کا سہارا بنایا تھا، اُن کو زندگی کے بدرو میں پھینکنے والے تم ہو! کیا عورت کی فطرت گناہ کا تقاضا کرتی ہے؟ اُس کی فطرت کبھی گناہ کی طرف پہلا قدم نہیں بڑھاتی، لیکن ایک درندہ کی طرح مرد کا نفس ہر وقت اُس کی گھات میں رہتا ہے، اور جب معصوم ہرنیاں بے خبر ہوتی ہیں تو اُن پر یہ درندہ حملہ کرتا ہے، پھر اس فاختہ کی طرح جو ابھی ابھی شاہین کے چنگل سے چھوٹ کر بھاگی ہو، خدا کی یہ مظلوم مخلوق اپنے زخم کو چھپانا چاہتی ہے نہیں چھپا سکتی تو رُسوا ہوتی ہے، اور رفتہ رفتہ اُس رُسوائی کی عادی ہو جاتی ہے —— میں اُس دنیا میں ہوں جہاں ایسے زخم نصیب بہت ہیں —— بہت ہیں! تم اُس دنیا میں ہو جہاں ایسے درندے اور ڈاکو بہت ہیں —— بہت ہیں!! اپنے ضمیر سے نہیں پوچھ سکتے تو ہم سے پوچھو کہ تم لوگ کیا کرتے ہو؛ تمھارے نفس کی تاخت و تاراج کا زندہ نمونہ ہم ہیں۔ عورت کی فطرت معصوم ہے، تمھاری فطرت گناہ سے لبریز ہے۔

میں تم سے پوچھتی ہوں، تم ہی ایمان سے بتاؤ کہ جب تم مجھے اپنی آغوش میں پاتے ہو تو اپنی نفس پروری کے علاوہ کبھی میرے وجود نسوانی کی حقیقی شعریت کو بھی محسوس کرتے ہو، کبھی تمھیں یہ بھی خیال آتا ہے کہ یہ کھلونا جس سے تمھاری دولت کھیل رہی ہے، کھلونا نہ تھا؛ زندگی کی ایک مطلا اور منقش تفسیر تھا، اگر تم نے اِس کھلونے کو توڑ ڈالا، اگر تمھارے جبر نے اس کے اختیار کو سلب کر لیا تو کھلونے غریب کا کیا قصور؟ اُس پر کیوں خفا ہوتے ہو، اس کو کیوں طعنے دیتے ہو، کتنی عورتیں ہیں جو اپنی زندگی میں پہلی دفعہ خود مرد کی طرف گئی ہوں، اُنھوں نے اپنا

آغوش مرد کے لیے کھلا ہو، حتیٰ کہ وہ دوشیزہ بھی جس نے گناہ کی چار دیواری میں پرورش پائی ہو، وہ بدنصیب بھی، وہ بے شرم بھی، آپ کو کبھی اپنی طرف نہیں بلاتی کہ آئیے اور میری فطرت کا گلا گھونٹ دیجیے! تم نے خود اُس کے جسم کی قیمت مقرر کی، تمھارے نفس نے اُس کو تاکا، تم نے اُس کی روح کو اپنی دولت اور اپنے سونے چاندی سے دبا دیا، کچل ڈالا! جب تم میری طرف اپنا دست طلب بڑھاتے ہو تو اپنے نفس لئیم سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ یہ عورت جو اپنی نسوانیت کا اعلیٰ ترین جوہر نذر کیے دیتی ہے کبھی وہ تھی کہ کسی گھر کا اجالا ہوتی اور انسان کی ایک نسل کو اپنی گود میں پالتی! آج شب کو وہ آپ کے بستر کی آرائش ہے اور کل صبح منظر عام پر آپ اُس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ فرمائیں گے! ——

حقیقت یہ ہے کہ مرد اپنے ضمیر کو خوب دھوکے دینا جانتا ہے، وہ اپنے گناہگار نفس کے مکروہ چہرہ کو خوشنما رنگ و روغن سے چھپا لیتا ہے، اپنی ہوس کو عشق کہتا ہے، اُس عشق کی قسمیں کھاتا ہے اور اپنے دل و دماغ کو زبردستی ایک تند شراب پلا کر بے خود کر لیتا ہے۔ دوسروں سے کہتا ہے دیکھو! میں مبتلائے عشق ہوں، میں فریب خوردۂ حُسن ہوں، میں مظلوم ہوں اور میں —— پاکباز ہوں!! مگر یہ سارا ادعائے اُلفت ہوس پرستی کا ایک تماشہ ہوتا ہے جو تم ہم کو دکھاتے ہو —— ہم تمھاری دراز دستیوں سے بچ نہیں سکتے، کاش کہ تم خود اپنے فریب سے محفوظ رہ سکتے! اپنی نفس پرست زندگی کا ایک لمحہ صرف کیجیے اور میری اس گذارش پر غور فرمائیے!

تم مجھ سے فرمائش کرتے ہو کہ کچھ آپ بیتی سناؤں، وہ کہانی تمھارے
لیے بے مزہ ہوگی، تمھارے عیش کو خراب کرےگی اور تمھارے منہ کا مزا کرکرا کردےگی!
اپنی ہزاروں لاکھوں بدنصیب بہنوں کی طرح
میں ہوں اپنی شکست کی آواز!
ابھی تم کو اپنی ہی داستانِ عشق بیان کرنے سے کب فرصت ہے کہ میری
کہانی سُن سکو۔ میں زندگی کی ایک بگاڑی ہوئی تصویر ہوں، اُسے دیکھنے
کے لیے کہیں سے چشمِ عبرت لاؤ!!

آٹھواں خط

یہ تو نیا رنگ ہے! چشم بد دور آپ مجھے طعنے دے رہے ہیں۔ لیلیٰ کے
مجنوں! مل گئی تو کسی بازار سے تولہ دو تولہ عقل تمھارے لیے خرید دونگی۔ سچ
کہنا تمھاری نظر میں میرے عیش و راحت کے معنی کیا ہیں؟ تم نے بغیر سوچے کہا
اور کس قدر غلط کہا کہ

بزیرِ شاخِ گل افعی گزیدہ بلبل را
نواگران نخوردہ گزند را چہ خبر

عطائے تو بہ لقائے تو! میں یہی عرض کرتی ہوں کہ "نواگران نخوردہ گزند را
چہ خبر"، تمھاری منتخب اللغات میں افعی کس کا نام ہے؟ تم نہ جانتے ہو تو میں

بتاؤں۔ ایک افعی میرے پاس بھی ہے، ایک افعی میری رگ جان سے بھی لپٹا ہوا ہے، مگر فرق یہ ہے کہ تمہارا افعی تمہارا نفس لئیم ہے جو تھپیں کھائے جاتا ہے اور میرا افعی مجھ سے دونوں وقت کھانے کو مانگتا ہے! تم مجھے "نہ خوردہ گزند" کہتے ہو؟ شرم تو نہ آتی ہوگی! کم نظر، نظر باز! کاش کہ تو جانتا کہ میرا افعی تیرے افعی سے بہت زیادہ زہریلا ہے۔ میں چاہتی تو اس "بزیر شاخ گل افعی گزیدہ" کا جواب یوں دیتی کہ

تو اے کبوتر بام حرم چہ می دانی
تپیدن دل مرغاں رشتہ بر پا را!

مگر تم سے کیا کہوں؟ جانتی ہوں کہ تم نہ "بزیر شاخ گل افعی گزیدہ" کو سمجھے اور نہ "تپیدن دلِ مرغان رشتہ بر پا" کو سمجھ سکتے ہو! تمھاری کج فہمیاں اور نافہمیاں مجھے ہنساتی بھی ہیں اور رُلاتی بھی ہیں ــــ ہوشمند تعلیم یافتہ نوجوان کہے جاتے ہو، اور ایک بچہ سے زیادہ شعور نہیں رکھتے! میری عمر ہنوز ۲۲ سال کی نہیں مگر شباب کی تمام نعمتوں سے محروم ہو چکی ہوں! لوگ بظاہر میرا عنفوانِ شباب دیکھتے ہیں اور میں اپنے اندر جوانی کا ایک شائبہ بھی نہیں پاتی۔ میری اس نرم، حسین اور گلابی کھال کے نیچے گویا ایک خزاں رسیدہ جھریاں پڑا ہوا بوڑھا جسم ہے، جس کی بدصورتی پر باہر کا خول پردہ ڈالے ہوئے ہے ــــ تمھیں کیا معلوم کہ میری زندگی کا آتشدان کس قدر سرد ہے! تم میرے حُسن کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی تپش محسوس کرتے ہو مگر یہ نہیں دیکھ سکتے کہ یہ شعلے ــــ میرے اپنے شعلے ــــ میری زندگی کے آتشدان کس جوہر نایاب کو بھسم کیے ڈالتے

ہیں! اس آتشدان میں میری زندگی کی ساری پونجی خاکستر ہوئی جاتی ہے اور تم ہو کہ صرف شعلوں کی سنہری دمک کو دیکھ کر جھوم رہے ہو! کاش کہ تم ۲۲ سال کے ننھے بچے نہ ہوتے اور میں ۲۵ سال کی بڑھیا نہ ہوتی!! اگر میں اور تم جگہ بدل سکیں تو آؤ چند روز کے لیے جگہ بدل لیں، تم میری جگہ آجاؤ اور میں تمھاری جگہ ـــــ پھر دیکھنا کہ ساری جوانی بھول جاؤ گے!!!

یہ بھی تمھاری طفلانہ سادگی کا ایک نمونہ ہے کہ کچھ بن نہ آئی تو مجھے طعنے دینے لگے! تم نے عورت کی کتاب زندگی کا ایک حرف بھی نہیں پڑھا، تم کیا جانو کہ اِن سطور کے درمیان کیا کچھ لکھا ہوا ہے ـــــ ہر روز لکھا جا رہا ہے ـــــ وہ میری خونچکاں زندگی کی داستان ہے! لو آؤ آج دعویٰ کرتی ہوں، میری زندگی کا کوئی ایک تماشا دیکھ لو، میری کسی ایک شب یا کسی ایک دن کے چند گھنٹوں کو اپنی عشق و عاشقی کے سارے عہد سے بدل لو۔ اپنی عمر بھر کی کلفتوں کو مجھے دو اور میرے کرب روحانی کی چند ساعتوں کو مجھ سے لے لو، پھر دیکھو کہ کس کا افعی زیادہ زہریلا ہے، کس کے زخم زیادہ گہرے ہیں، اور کس کا ناسور زیادہ پُرانا ہے!!

تمھیں اپنی زندگی کا ہر روز پیش آنے والا صرف ایک واقعہ سُناتی ہوں، اور پھر تم سے سوال کرتی ہوں کہ کیا تم بھی کبھی اپنے دل و دماغ اور اپنے تمام تر وجود روحانی کو اس طرح خاک میں ملا سکتے ہو؟

میری زندگی کی ہزاروں راتوں کی طرح گذشتہ شب بھی ایک رات تھی جب میں اپنے جسم کو ایک اجنبی کے آغوش میں پاتی تھی، صرف اِس لیے کہ اُس نے

میرے حسین جسم کی معقول قیمت ادا کی تھی! اُس شب میں وہ مجھ سے کس کس طرح
اظہار الفت کرتا تھا اور میں اُس سے۔ میں کوشاں تھی کہ وہ اجنبی میرے حُسن پر
اپنی عقل و خرد کی ساری پونجی ایک ہی رات میں لٹا ڈالے اور وہ چاہتا تھا کہ میرے
جسم کی تمام تر نزاکت و رعنائی کو اس ایک ہی رات میں اپنے حریص نفس پر
قربان کر ڈالے۔ میں جانتی تھی کہ شاید صبح کے بعد میں اور وہ کبھی یکجا نہ ہو سکیں گے مگر
شب کے چند گھنٹوں کی قیمت تو بہر حال اُس نے ادا ہی کی تھی اور وہ چند گھنٹے تو
مجھے اُس کے آغوش میں ہنس ہنس کر گذارنے ہی تھے، تمھیں یقین نہ آئیگا کہ میں
اُس کی باتوں پر کھلکھلا کر ہنس رہی تھی، میرے قہقہوں سے سارا کمرہ گونج رہا تھا۔
وہ اپنے بھدے اور بیشتر گندے مذاق اور عامیانہ ہزلیات سے اپنی بے باکی و
عیش پرستی کی داد دے رہا تھا اور میں اُس کے بھونڈے اور بازاری فقروں سے
محظوظ ہو کر گویا اُس کو خوش کرنے کی کوشش کر رہی تھی! رات کے اس سفر کی
ہر منزل میں میرا قدم اُس کے ساتھ اُٹھتا تھا!! — میں اُس کے گرم آغوش میں
کبھی سمٹتی تھی اور کبھی پھیلتی تھی، جب سمجھتی تھی کہ اُس کے کسی بے شرم فقرہ پر مجھے
شرمانا چاہیے تو شرما جاتی تھی اور جب دیکھتی تھی کہ وہ اپنی بے شرمی اور عریانی کے
جواب میں مجھ سے بھی ویسی ہی بے شرمی اور عریانی چاہتا تھا تو اُس کے یہ تقاضے
بھی پورے کرتی تھی — اس طرح گناہ کا یہ قافلہ رات بھر اُس بستر کی سفید چادر پر
گذرتا رہا! — یہ گویا میرے عیش کی رات تھی!!

پھر میں صبح کو گھر آئی، تھکی ہوئی، بے خواب آنکھیں، بیٹھا ہوا، ڈوبا ہوا دل،
پریشان دماغ، چاہتی تھی کہ چند ساعت سو رہوں اور گذشتہ رات کے ہنگامۂ گناہ کو

بُھلا کر آئندہ رات کی عشوہ فروشی کے لیے تازہ دم ہو جاؤں۔ لیکن ابھی بستر پر جانے کا ارادہ ہی کر رہی تھی، رات کے مُرجھائے ہوئے پھُول ہنوز میرے گلے میں تھے کہ کسی کی آہٹ پا کر سنبھل بیٹھی۔ یہ آنے والے ایک چاہنے والے تھے، یکے از گروہ عاشقاں! صبح ہی صبح اپنے عشق کی طویل داستان لے کر آئے۔ ہمیشہ اسی طرح آتے ہیں، بیٹھے، بسُورے، میری طرف تکتے رہے، میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دباتے رہے —— گویا اپنے عشق کی بجلی کو میرے جسم میں پہنچا رہے ہیں! —— پھر وہ ہاتھ میری کمر تک پہنچا، سر میرے سر سے مل گیا، اُن کا گرم اور متعفن، سانس، جس میں پائریا کی بدبو اور خوردنی تمباکو کا بھپکا بھی شامل تھا، میرے رخساروں سے بادِ سموم کی طرح ٹکرایا۔ آخر بہت سی عاشقانہ تمہیدوں کے بعد مدعا زبان پر آیا۔ وہی کہ "آج شب کو تشریف لائیے۔" میری طرف سے بھی اظہارِ التفات میں کمی نہ ہوئی۔ ایسے موقعوں پر میں ہمیشہ اپنے اصلی چہرہ پر گویا ایک کاروباری چہرہ —— مسکراتا ہوا، چمکتا ہوا، ہمت افزا —— چڑھا لیا کرتی ہوں، وہ بھی ایک خوبصورت تحفہ میرے لیے لے کر آئے تھے اور اُس کے بعد "شب کو تشریف لائیے"، کا مطلب یہی تھا کہ اس تحفہ کی نقد قیمت عنایت فرمائیے! —— خدا خدا کر کے وہ تشریف لے گئے اور میں نے سر تکیہ پر رکھا۔ ابھی آنکھ نہ جھپکی تھی کہ ماما ایک خط لے کر آئی۔ یہ بھی ایک پیامِ اُلفت تھا۔ معہ اِس التجا کے کہ "آج شب کو تشریف لائیے!" ناچار اُٹھ بیٹھی، جواب لکھا:—

"میرے پیارے، آج طبیعت بہت خراب ہے، کل ضرور آؤنگی

تم سے جدا رہنا مجھے کب گوارا ہے آج کی غیر حاضری معاف کرو،
تمھاری دلدادہ، وغیرہ وغیرہ"——

——بارے آنکھ لگ گئی۔ کوئی آدھ ہی گھنٹہ سوئی ہونگی کہ مراسلہ نگار عاشق زار جن کی میں ابھی ابھی دلدادہ وغیرہ وغیرہ تھی بے تاب ہو کر خود ہی تشریف لے آئے۔ بے چارے قدرے ضعیف العمر ہیں۔ غالباً پنجاہ و پنج!—۔ بالوں پر سفیدی کی نمود کافی ہے، داڑھی بھی رکھتے ہیں، گو زیادہ لمبی نہیں، کمر میں اکثر درد رہتا ہے دائم المریض ہیں، ایک آنکھ سے ذرا کم نظر آتا ہے، گذشتہ موسم سرما میں داہنی جانب فالج کا اثر ہو گیا تھا، مگر کیا کریں بہ ایں حال خراب مجھ پر مرتے ہیں۔ اُن کی جیب پُر ہے اس لیے میں بھی اُس طرف مائل ہوں! میرا جواب پا کر اور یہ سُن کر کہ میں نصیب دشمناں بیمار ہوں، بھاگے ہوئے، گھبرائے ہوئے آئے۔ جب وہ اس طرح تشریف لاتے ہیں تو پہلے چند منٹ دالان کے باہر ٹھیر کر اپنا سانس درست کرتے ہیں تب اندر قدم رکھتے ہیں۔ میں یہ تماشا گوشۂ چشم سے دیکھا کرتی ہوں۔ معمولی ادائے عشق یہ ہے کہ ہر ملاقات میں ایک دفعہ روتے ضرور ہیں! میرے گلے میں باہیں ڈال کر یوں شروع کرتے ہیں یہ۔ "میری پیاری (میری پر زیادہ زور ہوتا ہے) میری پیاری۔ (کبھی پیا پر زور اور کبھی ری پر) بیا...... پیا...... پ...... "کہتے کہتے ایک ہی دفعہ ڈھیٹر ہو جاتے ہیں۔ چند آنسو اُن کی آنکھوں سے نکل کر داڑھی کے گھنے جنگل میں غائب ہو جاتے ہیں—— تھوڑی دیر کے لیے—— تا آنکہ وہ ڈاڑھی اُن قطرات خون جگر کو میرے رُخسار تک پہنچا دیتی ہے!

جب وہ یہ خراج محبت ادا فرما چکتے ہیں تب اپنی محبت کی ایک لاکھ دفعہ دُہرائی ہوئی داستان پھر مفصل اور مشرح سُناتے ہیں، اور کہیں کہیں مجھ سے داد بھی چاہتے جاتے ہیں! "دہیری عمر دیکھو اور تمھارے عشق کے یہ صدمے پیاری — واللہ کوئی دوسرا ہوتا تو مرجاتا — پیاری" لفظ پیاری کثرتِ استعمال سے اُن کی گفتگو کا ایک مستقل ردیف ہوگیا ہے۔ کبھی تین چار گھنٹے سے پہلے اُٹھتے نہیں اور جب اُٹھتے ہیں تو دروازے تک جاتے جاتے داغ کے دو چار اشعار بھی سُناتے جاتے ہیں! ہاں یہ کہنا بھول گئی کہ کبھی کبھی جب میں اُن کے پاس ہوتی ہوں۔ اور کوئی تیسرا نہیں ہوتا — خلوت کامل ہوتی ہے — تو گاتے بھی ہیں!!

کیا خوب گاتے ہیں!! — غرض یوں شام ہوگئی، پھر دوکانداری کا وقت آگیا!

تم نے سُنا یہ وہی لیلیٰ ہے جو کبھی کبھی تمھارے پہلو میں بیٹھ کر زندگی کا فلسفہ بیان کیا کرتی ہے! یہ وہ عورت ہے جس کے زخم تمھاری کم بین نظر سے دُور ہیں۔ وہ اپنے وجودِ فانی کے عزیز ترین سرمایہ کو ہر روز اور ہر شب اس طرح فروخت کرتی ہے وہ اپنی انسانیت کو بے شرمی کے عریاں لباس میں اپنے گاہکوں کے روبرو پیش کرتی ہے، جب اُسے رونا چاہیے وہ ہنستی ہے، اور جہاں اُسے غیرت کے مارے مرجانا چاہیے وہ ہنس ہنس کر اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دیتی ہے، جب اُس کا دل آہ کہتا ہے تو اُس کی زبان "واہ" کہتی ہے! — یہی وہ عورت ہے جس کو تم "نخوردہ گزند" کہتے ہو؟ تم اِس عورت کے

تبسم میں اُس درد و کرب کو نہیں دیکھتے جس نے اُس کی زندگی کی ساری عمارت کو ہلا دیا ہے؟ تم اِس جنازہ میں جس پر کمخواب و دیبا کی چادریں ڈال دی گئی ہیں، موت کی تصویر نہیں دیکھ سکتے؟ تم سمجھتے ہو کہ یہ حسین عورت ہنستی ہے تو واقعی وہ ہنستی ہے؟ تمھارے خیال میں وہ افعی کے زہر سے محفوظ ہے؟ اُس نے کبھی افعی کے پیچ در پیچ جسم کو اپنے گلے میں لپٹا ہوا نہیں دیکھا؟ کاش تم جانتے کہ تمھارے افعی کا نیش اُس بد نصیب کے زخموں کے مقابلہ میں ایک پھانس کی خلش سے زیادہ نہیں! مگر تم کیونکر جان سکتے کہ ایک مٹھی بھر تانبے کے لیے یہ جوہر زندگی کس قدر ارزاں فروخت ہو رہا ہے، آؤ، ایک دن میری زندگی کے ہنگامے دیکھ لو! تم کبھی کبھی رُو دیتے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ "عشق" ہے! مگر میں ہنستی ہوں، اِس لیے کہ ہنسنا میرا پیشہ ہے، اور اِس لیے کہ رُو نہیں سکتی — آنسو کہاں سے لاؤں؟ میری ہنسی میرا سرمایہ تجارت ہے! اُٹھو اور یاد رکھو کہ ایک خانماں برباد عورت کو جو چاہے کہو، مگر طعنے نہ دو — تمھیں معلوم نہیں!!

نواں خط

زندگی کا یہ ہنگامہ، انسان کے گناہ، اُس کی کمزوریاں، زبردستیاں اور زیر دستیاں، قوی کا ظلم ضعیف پر، طاقتور کا پنجہ کمزور پر، بڑی مچھلیوں کا

کھلا ہوا مُنہ چھوٹی مچھلیوں کے لیے، چیونٹیوں پر ہاتھی کے پانوں کا فنا کر دینے والا وزن، مغرور شہسوار کا بدلگام گھوڑا، اور سڑک پر چلنے والے اندھے بہرے'۔۔۔ کیا یہ سب تقدیرِ الٰہی ہے؟ یہ سب نظامِ فطرت ہے؟ یہ اشرف المخلوقات کیا اسی لیے پیدا کیے گئے تھے کہ ایک دوسرے کا گوشت اور پوست نوچیں اور کھائیں؟ روٹی کے ایک ایک ٹکڑے پر، گیہوں کے ایک ایک دانے پر خون کی ندیاں بہا دیں؟ کیا ساری دنیا انسان صورت درندوں سے اسی لیے بھر دی گئی ہے کہ وہ خدا کی زمین پر کسی ایک گھر میں بھی سکون اور اطمینان باقی نہ رہنے دیں؟ ایک دوسرے کے کاسہ سرے چوگان کھیلیں، کشتوں کے پشتے ماندہ اُن کو اپنی فتحمندی پر دلیل لائیں! خون کے دریا بہا کر اُن کو اپنی شجاعت کی سند قرار دیں!۔۔۔ مگر آپ زندگی کے اِن حقایق کے مطالعہ میں کیوں اپنا وقت ضائع کریں، آپ کو اتنی فرصت کہاں؟ آپ تو میرے عشق میں مبتلا ہیں!! مرد جب عورت سے "عشق" کرتا ہے، یا یہ عرفِ عام عورت پر مرتا ہے، تو اُس کا صرف ایک ادنیٰ، مگر بہت قوی جذبہ جوانی ہوتا ہے جو اُس سے کہتا ہے کہ "دیکھ! یہ عورت حسین ہے، یہ تیرا شکار ہے، یہ تیرے نفس کا نذرانہ ہے!" مرد نے اپنے نفس کی خواہشوں کا نام "عشق" رکھا ہے! اپنے ضمیر کے پنجرے پر سیاہ غلاف چڑھا کر تا کہ اُس کا ضمیر نہ کچھ دیکھ سکے نہ سُن سکے، مرد اپنے نفس کی خانماں سوز مشعل روشن کر کے گناہ کا راستہ طے کرتا ہے۔ خدا کی کسی مخلوق کو اپنے ضمیر سے قریب کرنے کا یہ کمال حاصل نہیں جو مرد کو حاصل ہے! اس اشرف المخلوقات

کے لیئے وجہ شرف گویا یہی اُس کا فریب اور مکر ہے جس کی سب سے ہدف عورتیں ہوتی ہیں۔ ہاں! عورت بھی مکر و فریب میں مرد کے سامنے زانوئے ادب نہ کرتی ہے۔ مگر مرد بلاشبہ عورت سے اِس فن میں بہت آگے ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ میں فلاں عورت کو چاہتا ہوں تو اُس کی خواہش کا صحیح ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فلاں عورت سے بستر کی خلوت چاہتا ہے۔ لیکن وہ اپنی اِس خواہش کے مکروہ چہرہ کو الفاظ کے پردے میں چھپا دیتا ہے، عورت اُس کے خوبصورت اور شیریں الفاظ سے دھوکہ کھاتی ہے، جیسے چڑیا جال کے اوپر بکھرے ہوئے دانے کو دیکھ کر! اور پھر اُس عشق کے معنی اُس وقت سمجھتی ہے جب پانی سر سے گذر جاتا ہے! بدنصیب عورت! کہا جاتا ہے کہ عورت فطرتاً حیلہ جو اور مکار اور مرد فطرتاً بھولا اور سادہ لوح ہے! اللہ! اللہ! عورت کا مکر و کید، اور مرد کی سادہ دلی!! ہے کوئی مجھ سے پوچھے۔ مجھ جیسی عورت کی زندگی اس دعوے کی سراسر تکذیب ہے۔ جب میرے عاشقان صادق میری خلوت میں تشریف لاتے ہیں تو مجھ سے پوچھو میں اُن کی "سادہ دلی" کے کیا کیا تماشے دیکھتی ہوں جس کو وہ عشق کہتے ہیں وہ ایک غزل ہے، جس کا مقطع ہمیشہ وہی خلوت بے ناموس ہے! جب وہ میرے پہلو میں آکر بیٹھتے ہیں اور بسور بسور کر سوز و گداز عشق کا حال بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں "میں مرتا ہوں۔ میں تم پر جان دیتا ہوں۔ مجھے جیسی تم سے محبت ہے ایسی تو کبھی کسی سے نہیں ہوئی۔ تم میری جان و دل کی مالک ہو تم بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا" تو میں دل میں

ہنستی ہوں اور کن آنکھوں سے دیکھتی ہوں کہ اِس اظہار التفات بے پایاں کے ساتھ وہ اب میری طرف کھسکتے آتے ہیں، اُس عالمِ بے اختیاری میں اُن کا ایک ہاتھ میرے ہاتھ کی طرف آتا ہے، اُن کا سر میرے شانہ کی طرف، اُن کا دوسرا ہاتھ میری کمر کی جانب، اور میں اندازہ کرلیتی ہوں کہ غزل کا مقطع قریب ہے! پھر چند روز اُن کا عشق کافی گرم رہتا ہے تاآنکہ ہوس کا اشارہ کسی دوسری جانب ہوتا ہے اور میرے باسی بوسوں کی تھکن کو وہ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اُن کا عشق بھی رفتہ رفتہ تھکنے لگتا ہے اور وفورِ شوق کے واماندگی ظاہر ہو جاتی ہے!! کسی دن وہ غائب ہو جاتے ہیں اور پھر کبھی میری طرف نہیں آتے۔ کبھی سُن لیتی ہوں کہ اب اُن کے عشق کے سمند بادپا کی باگ کسی دوسری طرف پھر گئی ہے!۔۔۔ اس کا نام "عشق" ہے! اور یہ "عشق" ۹۵ فی صدی مردوں کا طغرائے امتیاز ہے، گھر کی بیویوں کے ساتھ ہو یا بازار کی عورتوں کے ساتھ، اُن کے "عشق" کی نوعیت اکثر یہی ہوتی ہے! میخانہ کے چھ بچے سے لے کر مسجد کے اونچے سے اونچے مینار تک، بڑی سے بڑی مونچھ سے لے کر لمبی سے لمبی داڑھی تک، مردکی حقیقت یکساں ہے اور ناقابل تغیر!!

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم!

وہ جب ہم جیسوں میں سے کسی کی طرف آتا ہے تو سوچتا ہوا آتا ہے کہ آج یہ چڑیا کس ترکیب سے شکار کی جائے ۔۔۔۔ کوئی پھندا لگایا جائے کہ تیر مارا جائے!

ایک مہربان اکثر تشریف لاتے ہیں۔ "صرف گانا سُننے کے لیئے۔"
اُن کے اظہار حال میں لفظ "صرف" پر بہت زیادہ تاکید ہوتی ہے۔ وہ
جب موقعہ پاتے ہیں تو اپنی اور اپنی بیوی کی باہمی اُلفت کی بہت خوشگوار
داستان مجھے سُنایا کرتے ہیں۔ "میری بیوی لاکھوں میں ایک ہے۔" "مجھے
اُس کے بغیر قرار نہیں آتا۔" "قسم لو جو آج تک سوائے اُس کے کسی دوسری
عورت کی طرف نیت بھی کی ہو۔" میں حیران ہوتی ہوں کہ خانگی زندگی کی
ان برکات کے باوجود مجھ پر یہ کرم کیوں ہے! آخرایک دن مجھ سے نہ رہا
گیا، میں نے اِس داستان کو سُنتے سُنتے عرض کیا کہ "حضرت! آپ جیسے
خوش نصیبوں کے لیے ہم جیسوں کے سیاہ خانہ پر اس قدر آنا جانا ہرگز مناسب
نہیں، زندگی کی وہ نعمت جو آپ کو اپنے گھر میسّر ہے، ہم لوگوں کے پاس
کہاں؟" کچھ شرمائے، کہنے لگے، "مجھے تو موسیقی کا شوق ہے اُسی کی خاطر
آپ کے یہاں آتا ہوں" میں نے عرض کیا کہ "آپ کہیں تو آپ کی بیوی کو
میں گانا سکھا دوں، پھر آپ کو میرے یہاں آنے جانے کی زحمت برداشت
کرنی نہ پڑیگی"، بولے کہ "یہ ہی تو ممکن نہیں، شرفا کے دستور کے خلاف ہے!" میں
نے عرض کیا کہ "اگر اُن کو گانا سکھانا شرفا کے دستور کے خلاف ہے، تو بازاری
عورت کے گھر آنا بھی تو شرفا کا شیوہ نہیں سمجھا جاتا۔" زچ ہو گئے، کھسیانی
ہنسی ہنس کر کہنے لگے کہ "اچھا کوئی مزیدار غزل تو سُنائیے!" ——
خدا کی پناہ! موسیقی جو دیوتاؤں کا جادو ہے اُس کو بھی ہوس پرست
مرد نے اپنے نفس کی جائداد بنا لیا ہے! وہ بازاری عورت کے حُسن کی

خوشہ چینی کرنے کے لیے موسیقی کا نام درمیان میں لاتا ہے، مگر موسیقی کا کیا ذکر وہ تو اپنی نفس پرستی کے ہنگاموں میں بلا تکلف خدا کا نام بھی درمیان میں لاتا ہے۔ کسی نئی اور حسین تر عورت کو پہلو میں بٹھانے کی خواہش ہوتی ہے تو کہتا ہے خدا نے چار بیویوں سے نکاح کی اجازت دی ہے! گویا خدا نے اجازت دی ہے کہ تم میرا نام لے کر عیاشی کر سکتے ہو! غرض کہ موسیقی اور فنون لطیفہ تو کیا مرد کی ہوسناکیوں نے تو خدا اور پیغمبر کے نام کو بھی آلودہ کیے بغیر نہ چھوڑا!

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں!

کائنات کا حُسنِ حقیقی بھی اُس کے نفس کے دسترخوان کی چٹنی ہے! عورت کا گانا وہ اس لیے نہیں سنتا کہ موسیقی اُس کے دل میں کوئی سُوز و ساز پیدا کرتی ہے، وہ عورت کی خاطر موسیقی کا ذوق ظاہر کرتا ہے! اُس کے دل میں موسیقی کے ذریعہ سے "عشق" پیدا ہوتا ہے! وہ بسا اوقات موسیقی اور شراب کو صرف اپنی جرأتِ رندانہ میں اضافہ کرنے کے لیئے آلۂ کار بنایا کرتا ہے عورت سے لطف اندوز ہونے کے لیئے وہ ایک کیف ترنم کی ایک "فضا" پیدا کرتا ہے۔ ساز کی آواز پر اُس کی رُوح میں ارتعاش پیدا نہیں ہوتا لیکن اُس کا نفسِ لئیم ایک مکار صوفی کی طرح ناچنے لگتا ہے!! گانے میں بھی اُسے لطف اُس وقت آتا ہے جب گانے والی کی صورت اچھی ہو!! —— میں موسیقی کے ان قدردانوں کو خوب جانتی ہوں —— خدا کی مار ان مکاروں پر! جب وہ میری موسیقی پر جھُوم جھُوم کر سر ہلاتے ہیں اور مست ہو ہو کر کودتے ہیں تو

مجھ پر اُن کے کیف و سرور کی حقیقت اِس قدر واضح ہوتی ہے کہ اکثر جی چاہتا ہے کہ بر سرِ محفل اِن جھومنے والوں کے سر پر سارنگی کھینچ ماروں! یہ حیوان اپنے نفس کو قدرت کی نعمتوں کا اجارہ دار سمجھتے ہیں اور اُن کا مجرمانہ استعمال اپنے لیے بالکل جائز سمجھتے ہیں! قدرت نے انگور پیدا کیا اور اُنھوں نے اُس کو سڑا گلا کر شراب بنالی کہ وہ اُن کے گناہوں میں اُن کی اعانت کرے! قدرت نے پھول پیدا کیے اور اُنھوں نے اُن پھولوں کو درختوں سے چُن چُن کر اپنے گناہ آلود بستروں پر کچلا اور سلا، قدرت نے لوہا دیا اور اُنھوں نے اُس کی تلواریں بنائیں اور پھر اُن تلواروں کو ایک دوسرے کے خون سے رنگا! حفاظتِ جان و مال کے جس قدر سامان خدا نے عطا کیے وہ سب ظلم اور زبردستی کے لیے استعمال کیے گئے، خوشنوا اور خوبصورت پرند جن کو جنگلوں اور باغوں کی زینت بنایا گیا تھا، پنجروں میں بند کیے گئے، اُن کے نغمے آزاد نہ رہے، اُن کے پروں کی طاقت سلب کر لی گئی اور یہی حال عورت کا ہوا! یہ حقوقِ ملکیت جن کا اعلان کیا جاتا ہے جن کو جزوِ مذہب و اخلاق بتایا جاتا ہے، یہ تفوق و فضیلت جس کا اشتہار دیا جاتا ہے، مدرسوں میں، مسجدوں میں اور خانقاہوں میں، یہ سب زیردستوں کے ساتھ زبردستوں کی زبردستی کا اعلان و اشتہار ہے ــــــ اعلان و اشتہار نہیں، ایک ادعائے محکم ہے!

تم جو بار بار کہتے ہو کہ میں تمھاری زندگی کا سرمایہ ہوں، اُس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ تمھارا بس چلے تو ایک خوبصورت چڑیا کی طرح مجھے پنجرے میں بند کر کے رکھو اور میرے حسن کا سرمایہ تمھاری نفسانیت کے کھاتہ میں

درج ہو جائے ——

—— حسن کے شقی القلب مہاجن !!

دسواں خط

اگر تم میرے اِن پرزوں کو جمع کرتے جاؤ اور کسی دن چھپوا کر شائع کر دو تو ملک کے علمی حلقوں میں تمھارا نام عزت کے ساتھ لیا جائے یا نہ لیا جائے مگر مشہور تو خوب ہو جاؤ گے! بازار حسن میں میری دوکان اس قدر کافی مشہور ہو چکی ہے کہ اب تم جیسے لوگ، مجھ سے نسبت قریب رکھنے والے پھر ماشاء اللہ، دولت مند، تعلیم یافتہ، میرا دامن پکڑ کر اچھے خاصے قومی لیڈر بن سکتے ہیں!! اِس زمانہ میں قومی لیڈری کے لیے صرف ایک لمبی زبان اور ایک بڑے سے نقارے کی ضرورت ہے، جو کوئی کچھ عرصہ تک اخباروں میں "چھپتا" رہے، وہ بآسانی لیڈر قوم بن جاتا ہے، تم بھی اگر کہیں "چھپ" جاؤ تو رہنمائے ملت ہو جاؤ گے، یہ انقلاب جنسیت کچھ مشکل نہیں۔ مطبع کی سیر آدھ سیر روشنائی اور دو چار پتھر، ان دونوں کا مرکب۔ لیڈر ہوتا ہے! اگر ہندوستان کے "بزرگانِ ملت" میں سے کوئی صاحب اپنی سارنگی میں ایک تار کا اضافہ کرنا چاہیں تو میں اِن اوراق کا حق تصنیف اُن کی نذر کر سکتی ہوں، یا اگر محراب و

منبر کی قندیلوں کو زیادہ روشنی اور چمک درکار ہو تو وہ بھی ان اوراق کے خلاف احکام دفتا وے کا جہاد کر سکتے ہیں، اور بلاشبہ ان کی شہرت و عظمت میں ایک بازاری عورت کی بیحیائی کے خلاف اُن کا جہاد بہت کچھ اضافہ کر دے گا۔ وہ جب فرمائیں گے کہ ایک فاسق و فاجر عورت کے ادنیٰ جذبات کی ملک میں اشاعت ایک اخلاقی جرم ہے اور اپنے اس قول پر بہت کچھ "قال اللہ" و "قال الرسول" پیش کریں گے تو کون ہے جو بجا و درست نہ کہے! جب وہ اسٹیج پر کھڑے ہو کر اور عبا کی چوڑی آستینوں کو اُکسا کر ایک چیخ ماریں گے اور کہیں گے کہ لوگو! اس فاحشہ کو سنگسار کرو جو ہماری آیندہ نسلوں کی زندگی کے شفاف چشموں کو گدلا کر رہی ہے، جو "حاملین شریعت حقہ" پر فقرہ بازی کرتی ہے، تو معلوم نہیں میرا کیا حال ہوگا، کسی جمعیۃ علماء نے ـــــ دلی کی، کانپور کی، پٹنہ کی، دلدار نگر کی، فرخ آباد کی اور ٹمبکٹو کی (اب تو "جتنے علمائے کرام" ہیں اتنی جمعیتیں بھی ہیں) ـ میرے مکان پر پکٹینگ شروع کرا دیا تو پھر میرے گھر امن و امان کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بڑے بڑے شرفا اور معززین کو میرے گھر آنے جانے میں سخت زحمت پیش آئے گی اور امن عامہ کا قائم رہنا مشکل ہو جائے گا!! ـــــ غرض کہ ان اوراق کی اشاعت بہت سے مست بیلوں کے سامنے سرخ کپڑے کا کام دے گی اور میں تو اُن کی آتش غضب میں جل بھن کر ہی ختم ہو جاؤں گی ـــــ تفنن برطرف، مگر واقعہ یہ ہے کہ میں تو ہر مقدس عبا کے دامن پر سجدے کرتی، اگر وہی مقدس

عبا ولے میری ساڑھی کے آنچل پر سر نہ جھکائے ہوتے!! یہ اوراق شائع ہوں یا نہ ہوں، مظلوم عورت کی آواز کو نفس پرست اور خود پرست مرد سُنیں یا نہ سُنیں لیکن جو آواز بلند ہو چکی ہے وہ بند نہیں ہو سکتی، پانی کا وہ قطرہ جو مسلسل پتھر پر گرتا رہتا ہے ایک دن اُس پتھر میں سوراخ کر دیتا ہے، آج اپنی مظلومیت کا ایک حقیقت ناشناس، خود غرض اور ظاہر پرست دنیا کو یقین دلانا مشکل ہے، لیکن وہ دن بھی آئے گا جب پتھروں میں سوراخ ہو جائیں گے، جب بڑے بڑے سرکش اور جفا پیشہ فرعون سر جھکانے پر مجبور ہونگے! آج ہمارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا کر جس قدر چاہو ہم سے نفرت کرو، ہماری کمزوریوں کو مبالغہ کے ساتھ مشتہر کر کے جس قدر چاہو اپنے تفوق کی سند حاصل کرو، آج برسرِ بازار ہمارا سلام قبول کرنا بھی ایک معزز اور مغرور مرد کی کسرِ شان سمجھو، گو یہ اور بات ہے کہ وہی مرد ظلمتِ شب کی خلوت میں اپنے نفس کی خاطر ایک "فاحشہ" کے قدموں پر سر رکھ کر صبح کر دیتا ہو!! کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ تمھاری دنیا میں گناہ کہتے کس کو ہیں؟ گناہ اُس برے عمل کو کہتے ہیں جو چھپا نہ رہے اور ظاہر ہو جائے، جو گناہ چھپا رہے وہ گناہ نہیں ہے! تمھارے اخلاقی دستور العمل میں رسوائی گناہ ہے گناہ اگر راز ہو تو اُس کا جواز ثابت کیا جا سکتا ہے!! اگر جذام کے داغ لباس کے نیچے چھپے ہوئے ہیں تو تم ہرگز جذامی نہیں ہو! عیب تو صرف وہ ہے جو ظاہر ہو جائے، تمھارے اخلاق کی عمارت کا سب سے بڑا استون اخفا ہے!! لیکن مرد اپنی زندگی کے اِس دائمی فریب سے قطع نظر کر لیتا ہے

اور عورت کی مکاری اور عیاری کی داستانوں سے دنیا کے کان بھر دیتا ہے، شاید تمھیں بھی میرے ہر لفظ سے بوئے مکر آئے گی! ۔ عورت مکار ہے، عورت مکار ہے! عورت جس کی دوشیزگی مرد کی طرف پہلا قدم بھی نہیں اُٹھا سکتی تا آنکہ مرد خود اُس کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے ۔۔۔ وہ مکار ہے عورت اپنے جذبات کو کبھی زبان پر نہیں لا سکتی ۔ تا آنکہ مرد قسمیں کھا کھا کر اپنے عشق کی داستان سینکڑوں دفعہ نہ دُھرائے، وہ مکار ہے! عورت جو عمر بھر ایک برے سے بُرے مرد کا دامن تھام کر زندگی کی تمام سختیاں سہہ جاتی ہے اور کبھی مرد کے مظالم کو زبان پر نہیں لاتی ۔ وہ مکار ہے! وہ بغیر آنسوؤں کے روتی ہے، وہ بغیر آواز کے چیختی ہے وہ آنکھیں بند رکھتی ہے اور دیکھتی ہے، وہ دیکھتی ہے مگر زبان نہیں کھولتی اور صبر کرتی ہے، کیا یہی سب عورت کا مکر و فریب ہے؟ اب ذرا مرد کی صداقت اور راستبازی بھی دیکھو، وہ عورت کی طرف آتا ہے، لب خشک اور آہِ سرد بھی ساتھ لاتا ہے، عشق و محبت کا تمام ظاہری ساز و سامان لے کر آتا ہے، اُس کی داستانِ عشق طویل ہوتی ہے، وہ فراق کے صدمے بیان کرتا ہے، وہ جدائی کی سختیوں کا ذکر کرتا ہے، اس طرح روتا ہے کہ گویا اُس کا کلیجہ شق ہو جائیگا، اس طرح گڑگڑاتا ہے کہ گویا آسمان و زمین اُس کے درد پر شاہد عادل ہیں، وہ عورت کا آنچل پکڑتا ہے اور اُس آنچل کو عرش کے پایہ سے باندھ دیتا ہے وہ کہتا ہے "اے عورت! میری روح تیری روح کو بلا رہی ہے"، وہ اپنے جذبات و خواہشات پر فطرت کو گواہ لاتا ہے، وہ کہتا ہے۔ "تو کمزور ہے،

میری جان، میں تیرا محافظ ہوں، تو کم عقل ہے میں تیرے لئے عقل کی مشعل لے کر آیا ہوں، تو اپنی مدد خود نہیں کرسکتی، میں تیرا مددگار ہوں، تو ایک امانت ہے جو خدا نے مجھے دی ہے"۔ــــــ اس طرح کہے جاتا ہے۔ تا آنکہ ــــــ تا آنکہ ــــــ

اُس کی آہ سرد حیوانی خون کی گردش میں گرم ہوجاتی ہے، لب خشک، عورت کے ہونٹوں سے تر ہوجاتا ہے، طویل داستان عشق ایک، اور تنہا ایک کامیاب حرفِ مدّعا پہ ختم ہوجاتی ہے! فراق اتصال جسمانی کے ایک کیف عارضی سے بدل جاتا ہے! عرش کے پایہ سے بندھا ہوا آنچل زمین پر گر پڑتا ہے، عورت کی جو روح ڈھونڈی جارہی تھی وہ ایک سراب میں غائب ہوجاتی ہے، "میری روح تیری روح کو بلاتی ہے"، کے بجائے مرد کا نفس پکارتا ہے کہ "اے عورت، میرا جسم تیرے جسم کا طالب ہے"، فطرت کی گواہی نظر انداز کی جاتی ہے اور نفس کا دیوتا فیصلہ کرتا ہے کہ ہر ایک مرد کے نفس پر ہزار عورتیں بھی قربان ہوجائیں تو کم ہیں! شب کی خلوت میں خدا کی دی ہوئی یہ امانت مرد کے نفس کی مملوکہ اور مقبوضہ ہوجاتی ہے، آخر اُس کی خواہش کے طوفانی سمندر میں ہزاروں کشتیوں کی طرح یہ ایک کشتی بھی غرق ہوجاتی ہے، چند منٹ سطح آب پر جس جگہ وہ کشتی غرق ہوئی، پانی میں چکر پیدا ہوتے ہیں، پھر سطح برابر ہوجاتی ہے ــــــ گویا کوئی کشتی ڈوبی ہی نہ تھی!! ــــــ

شیر اپنے شکار سے سیر ہوکر ایک فاتحانہ آسودگی کے ساتھ آرام کرتا ہے! اِس شیر کے خون آلودہ دانتوں کی دھار کا حال اُس ہرنی سے پوچھو جس کے

تمامتر وجود روحانی کو اِس موذی کے دانتوں نے چھلنی کر دیا ہے! جاؤ! خونِ جگر کے اُن بے حساب قطرات کا حساب لگاؤ جن سے تمھارے اِس عہد جوانی میں ——— جس پر تمھیں ناز ہے ——— ہر مرد کو ناز ہوتا ہے، تمھاری تواضع کی گئی ہے ——— جاؤ!!

گیارہواں خط

کبھی تم نے اپنی گذری ہوئی عمر کو اپنے ضمیر کے آئینہ میں دیکھا ہے۔ اتنی استعداد بھی ہے؟ جوانی کی مستیوں نے اُس آئینہ کے ٹکڑے کر ڈالے ہونگے، پھر بھی کوئی ٹکڑا اگر باقی ہو تو ڈھونڈھ کر گرد میں باندھ لو۔ جب جوانی کا بھوت تمھارے کاندھوں سے اُترے گا تو وہ ٹکڑا کام آئیگا۔ اُس میں تم اپنے مردہ ضمیر کی لاش کو دیکھوگے!

گذشتہ شب، میں تنہا تھی، صرف اس لیے کہ تنہا رہنا چاہتی تھی۔ مردانہ عشق وہوس کے مظاہرے مجھ بیشہ ور کو بھی کبھی کبھی تھکا دیتے ہیں! یہ نہیں کہ میری خلوت کے حصہ دار حاضر نہ ہوں ——— وہ کب حاضر نہیں رہتے۔ ایک نہ ہوگا تو کوئی دوسرا ہوگا، مگر اصل یہ ہے کہ میں نے دردِ سر کا بہانہ کر کے سرِ شام ہی مکان کا دروازہ بند کرالیا تھا اس لیے ”خاں صاحب“ تشریف لائے اور آوازیں دے کر واپس گئے، ”میر صاحب“

بھی دروازہ پر بہت دیر تک کھانستے کھنکارتے رہے، "شیخ جی" بھی کچھ دیر سڑک پر اِدھر اُدھر پھرتے رہے، آخر چلے گئے، "ساہو صاحب" نے بھی اپنی موٹر کا ہارن میری دیوار کے نیچے بہت دیر تک بجایا! افسوس ہے کہ مایوس گئے، "اڈیٹر صاحب" نے بھی دو تین حملے کیے مگر مجھ تک نہ پہنچ سکے، "وکیل صاحب" کا آدمی بھی آیا مگر دروازے پر دو چار ہاتھ مار کر لوٹ گیا! اس طرح میرے حُسن کے تمام چوکیدار آدھی رات تک آوازیں لگا لگا کے اپنے گھروں کو سدھارے! میں نے سر تکیہ پر رکھا اور نیند کا انتظار کرنے لگی —— یہ گویا میری شب تعطیل تھی!

شام بستر کی چادر اور تکیوں کے غلاف سب بدلوا لیے تھے۔ تم نے ایک روز خوب کہا تھا کہ اس بستر میں قسم قسم کے عشق مرکب کی بو آتی ہے! کبھی کبھی خوب کہتے ہو، ظریف ہو مگر حیف کہ فلسفی نہیں! عاشق کو فلسفی ضرور ہونا چاہیئے! غرض کہ اُس "عشق مرکب" سے گھنیا کر شام میں نے سارا بستر بدلوا دیا تھا۔ ہائے، تمھیں معلوم نہیں کہ اِس بستر کا ہر تار کس قدر آلودہ ہے، تمھیں معلوم ہوتا تو میرے بستر پر کبھی قدم نہ رکھتے۔ میرے بستر کے تکلفات کو دیکھ دیکھ کر تم کیسے کیسے پیچ و تاب کھاتے ہو، گویا کہ چادر کی ہر شکن میں تمھارا ایک رقیب پوشیدہ ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ کچھ غلط بھی نہیں! مگر تم اُن احمقوں کو کیا کہو گے جو اِس بستر پر آرام کرنے کے لیے مرے جاتے ہیں، گویا وہ دوسروں کا مُنھ کالا دیکھ کر رشک کرتے ہیں کہ اُن کا مُنھ کیوں کالا نہ ہوا!

میری نیند میری نہیں۔ حُسن کے ساتھ نیند بھی فروخت کرنی ہوتی ہے۔ مرد کا مطالبہ فطرت کے تقاضوں کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ جس عورت کو مرد نے شب بھر کے لئے خریدا اُس کے سارے قویٰ دماغی اور جسمانی، گویا مرد کی جائداد ہو گئے! ہنسے تو وہ ہنسنا اُس کا نہیں روئے تو رونا اُس کا نہیں، خوابگاہ اُس کی نہیں، بستر اُس کا نہیں۔ جو کچھ ہے سب مرد "دیوتا" کا ہے۔ وہ عورت پن، وہ نسوانیت جس کے وضع کرنے میں فطرت نے اپنی تمامتر شعریت اور اپنی انتہائی صنعت صرف کی، ماں کے آغوش میں ضرور میرا حصّہ تھی، مگر اب نہیں۔ میں نے بھی قدرت کے خوان یغما سے اپنا حصّہ پایا تھا، میں بھی اپنی پونجی لے کر دنیا میں آئی تھی۔ مگر اب وہ میری نہیں؟ اب میرا وجود ظاہری ایک زرکار خریطہ ہے، جس کے اندر کبھی زندگی کی ایک دستاویز رکھی ہوئی آئی تھی۔ وہ دستاویز گم ہو گئی مگر خریطہ پر ظاہر پرستوں کا ہجوم ہے! کاغذ کی قندیل کا کاغذ بیشک خوبصورت ہے، مگر اندر کا چراغ روشن نہیں! ——

اس جملہ معترضہ کے بعد، پھر اپنی شب کی بیتی سُناتی ہوں۔

رات میری خواب گاہ میں کوئی نہ تھا، مگر ایک شمع جو فرش پر رکھی ہوئی جل رہی تھی۔ کچھ سوچتے سوچتے میری نظر اس شمع کی لَو پر پڑی، نظر پڑی اور وہیں جم گئی۔ میں اُس حالت میں تھی کہ نہ سُو رہی تھی نہ جاگ رہی تھی، آنکھیں جھپک رہی تھیں مگر دماغ ہوشیار تھا۔ کمرے کی تاریکی میں شمع کی لو گویا سیاہ چادر کا ایک شگاف تھا، ایک

حلقۂ تصویر تھا، جس سے باہر کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ اُس روشنی میں کچھ متحرک اجسام بھی تھے، ہر تصویر اُس دریچہ کے سامنے سے گذرتی تھی اور میں اُس کو پہچانتی جاتی تھی ـــــ یہ میری اُستانی کا کمرہ ہے، اُس کے دروازہ پر میں اپنی گڑیا گود میں سنبھالے کھڑی ہوں، ایک حسین عورت مجھے بلا رہی ہے، وہ میری ماں ہے، ایک خوش رُو متین اور دراز قد مرد میری طرف آ رہا ہے، وہ میرا باپ ہے ـــــ یہ خوبصورت عمارت میرا اسکول ہے ـــــ ہم کہیں جا رہے ہیں، ریل کا اسٹیشن ہے، میرے والد کے ساتھ ایک خوشرو نوجوان ہے، مردانہ حُسن کی ایک تصویر، جو ہنوز مکمل نہ ہوئی تھی، یہ میرا منگیتر ہے، جس کا ساتھ میری جوانی اور میرا بڑھاپا گذرنا چاہیے تھا! میں اُس کی طرف نیچی نگاہوں سے اس طرح دیکھ رہی ہوں کہ گویا دیکھ نہیں رہی ـــــ میرے جسم میں ایک ناقابل بیان لرزہ ہے۔ آغاز زندگی کی اس لرزش کا ترجمہ قلم اور زبان کی طاقت سے باہر ہے۔ عورت کی جوانی کی وہ پہلی لرزش تھی جو اُس دن اسٹیشن پر میرے جسم میں پیدا ہوئی! مرد عورت کی اس کیفیت سے کبھی واقف نہیں ہو سکتا!! ـــــ شمع کی لو بھی لرز رہی تھی ـــــ پھر ایک ۲۲ سالہ جوان رعنا اُس دریچہ کے سامنے سے گذرا ـــــ یہ میرا پہلا مرد تھا! جس نے مجھے عورت بنایا مگر بیوی نہ بنایا! جس نے مجھے میری شاخ سے چُن کر چند روز گلے کا ہار بنایا اور پھر مسل کر بدرو میں پھینک دیا! جس ظالم نے میری دوشیزگی کو وہاں پہنچا دیا جہاں اب تم دیکھ رہے ہو!

جس نے مجھے وہ بنا دیا جو میں اب نظر آتی ہوں! ——— کھڑکی میں سے
ہوا کا ایک جھونکا آیا، شمع کی لو کانپی اور گُل ہو گئی! میری آنکھ لگ چکی
تھی، تاہم فانوسِ خیال کا یہ پیکر دماغ کسی گوشہ میں جہاں غیر کا تخیل
نہیں پہنچ سکتا کوئی ایسی تصویر چھپائے رکھتا ہے جو میری گزری
ہوئی زندگی کی مکمل تصویر ہے، محبت کے اِس محفوظ سرمایہ میں میرا
کوئی شریک نہیں۔ رات میں شمع کی لرزتی ہوئی لَو میں پھر ایک دفعہ
وہ متحرک تصویر دیکھ لی، گویا میں پھر اپنی پہلی زندگی میں ——— دوشیزگی
کی زندگی میں واپس چلی گئی ہوں ——— لیکن صبح کی روشنی میں میری یاد کے
اُس خزانہ پر بہت سے اژدہے بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں، جن میں سے
ایک تم بھی ہو! اُس خزانہ تک میں پہنچ نہیں سکتی، تم لوگ وہاں مجھے
پہنچنے نہیں دیتے، اپنی حسن پرستی کے ہنگاموں سے تم نے میرے تخیل کے
راستے تک بند کر دیے ہیں، تمہاری عشق بازیوں میں مجھے اس کی بھی
فرصت نہیں کہ خلوتِ خیال میں ایک لمحہ فارغ ہو سکوں! ———
صبح آنکھ کھُلی تو شمع ختم ہو چکی تھی اور سُورج کی شعاعیں فرش پر
بکھری ہوئی تھیں ——— شمع کس قدر جلد پگھلتی ہے، جس قدر تیز جلتی
ہے، اُسی قدر جلد ختم ہوتی ہے۔ میری زندگی کی شمع بھی اب بہت
تیز روشن ہے اور انشاء اللہ بہت جلد گُل ہوگی! اپنی زندگی کو دونوں
ہاتھوں سے لٹا رہی ہوں! تم اور تم جیسے سب آئیں اور مجھ خانہ براندازِ
حیات کی پونجی کو جلد سے جلد لوٹ لیں! یہ سرمایہ میری گردن پر

ایک ناقابل برداشت بوجھ ہے، لوٹ لو جس قدر جلد لوٹ سکو!
بس یہی مجھ پر تم لوگوں کا احسان ہوگا!!

بارہواں خط

لوگ جب قے کرنا چاہتے ہیں تو سکنجبین پی کر حلق میں کبوتر کا پر ڈالتے ہیں، مجھے قے کرنے کے لیے اس عمل کی ضرورت نہیں ہوتی، نہ سکنجبین پیتی ہوں نہ پر استعمال کرتی ہوں، اس سے زیادہ آسان اور زود اثر ترکیب یہ ہے کہ اپنے عشاق دلنواز میں سے دو چار کے محبت نامے پڑھ لیتی ہوں اور مقصود حاصل ہوجاتا ہے —— تم لوگوں کی دروغ بافیاں کس قدر گھنونی ہیں!! —— وہ عبارت آرائیاں، بیان حالِ دل کی وہ رنگینیاں، میرے حسن کے ساتھ کاغذ کے پردے میں وہ اختلاط رندانہ نثر میں داستان عشق اور نظم میں احوال الفت، یہ کڑوے گھونٹ اس قدر پینے پڑتے ہیں کہ اگر میں فلسفی نہ ہوتی تو ان رشحات عاشقانہ اور تم لوگوں کے اس ہذیان نفس نے مجھے پاگل کردیا ہوتا! تم لوگ جب میرے حسن کی تعریفوں کے چاند اور سورج سے بلند تر مینار بناتے ہو، جن کی بنیاد صرف کاغذ پر ہوتی ہے تو میں تمھاری عقل کی پستی پر آنسو بہاتی ہوں یا ہنستی ہوں یہ سوچ کر کہ تم لوگ جانتے ہی نہیں کہ

حسن اور بدصورتی میں کتنا فاصلہ ہے۔ تم اگر پھول کی تعریف کرتے ہو
تو کیا حقیقتاً حسن پھول کے اندر ہے؟ تم دن کو روشن اور رات کو تاریک
کہتے ہو تو یہ کیا دن اور رات کی کوئی قدرتی خصوصیت ہے؟ تمہارا
دماغ صحیح ہو تو اِس ذرا سے نکتہ پر غور کرو کہ اچھے، بُرے، خوش اور
ناخوش، سیاہ و سفید، یہ تمام امتیازات اشیا کے نہیں ہیں بلکہ تمہارے
دماغ کی کیفیات کے ہیں۔ فی نفسہ نہ کچھ اچھا ہے نہ بُرا ہے، نہ سیاہ
ہے نہ سفید، تم نے یہ سب نام رکھ لیے ہیں، جو چیز تم کو خوشگوار معلوم
معلوم ہوئی وہ اچھی، جو چیز تمہارے کانوں اور آنکھوں کو بُری معلوم
ہوئی وہ بُری، ہر شخص اپنی پسند کے مطابق ہر چیز کی نوعیت قرار
دیتا ہے، تعریف کرتا ہے یا مذمت! مرد عورت کی نسبت جو معیار
اپنے نفس کی تواضع کے لیے قائم کرتا ہے، اُس کو عورت سے بھی منوانا
چاہتا ہے، گویا کہ اِس معاملہ میں عورت کو اختیارِ تمیزی قطعاً حاصل
نہیں، وہ تو صرف اس لیے ہے کہ

اگر شہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پرویں

مرد دن کہے تو ہم بھی دن کہیں، وہ رات کہے تو ہم بھی رات کہیں، ایک
صاحب اگر اپنی مونچھوں کی نوکوں کو بلند کر کے قیصر جرمنی بن جاتے
ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کا فرض ہے کہ وہ اُن کی اِس ادا کو پسند
کرے یا اگر کسی صاحب نے انگرکھا اپنے جسم پر چپکا لیا ہے تو وہ مطمئن ہیں کہ

کوئی عورت اُن کی طرف متاثر ہوئے بغیر نہیں دیکھ سکتی! اگر کسی صاحب کے سر کے بال اچھے بنے ہوئے ہیں تو وہ متوقع ہوتے ہیں کہ عورت ضرور اُن کے بالوں پر فدا ہو جائے گی وہ اُن کے قامت زیبا کو دیکھ کر آہیں بھرینگی وہ اُن کے آغوش میں جگہ پانے کے لیے بیتاب ہو جائیگی، وہ لب خشک اور آہ سرد کی تمام عاشقانہ بے اختیاری کے ساتھ اُن کے قدموں پر گر جائیگی اور کہیگی: پریتم! میں تم پر فدا ہوں، میں تم بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، مجھے اپنی داسی بنا لو!!——— ہزار ہا خود پرست و خود بین عشاق کے ہجوم میں میں ان نکات پر غور کیا کرتی ہوں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ میں اگر کسی صاحب کی آواز میں کشش پاتی ہوں تو وہ اپنے گھونگروالے بالوں کی داد چاہتے ہیں، میں کسی صاحب کی سادہ وضع کو پسند کرتی ہوں تو وہ مجھے رجھانے کے لیے چھیلا بننے کی کوشش میں اپنا وقت ضایع کرتے ہیں! اگر مجھے کسی صاحب کا طرز کلام پسند ہے تو وہ خود اپنی جامہ زیبی پر مجھے مفتون کرنا چاہتے ہیں——— عورت اور مرد کی نفسیات کس قدر مختلف اور ایک دوسرے سے بعید ہیں! مگر مرد ایک مختار بادشاہ کی طرح متوقع ہوتا ہے کہ جس بات کو میں اچھا کہوں، اُسی بات کو عورت بھی اچھا کہے، جس چیز کو میں اچھا سمجھوں وہی عورت کو بھی بھائے۔ یہ عورت کا فرض ہے، اس لیے کہ قانون ساز ہم ہیں، تفوق ہم کو حاصل ہے، حاکم ہم ہیں، یہ مملکت ہماری ہے!!!

تم اپنے طویل الفاظ سے پُر، اور معنی سے خالی، خطوط میں اپنے

عشق و ابتلا کے جانب کیسے کیسے، اپنی دانست میں لطیف، اور میری رائے میں بھدّے اور بھونڈے اشارے کرتے ہو، اور سمجھتے ہو کہ عورت کے دل کو قابو میں لانے کے لیے یہی انداز بیان مناسب ہے، حالانکہ تمھیں خبر نہیں کہ میں دل ہی دل میں تمھاری اِن عاشقانہ لغویات یا لغو عشقیات سے کس قدر استہزا کرتی ہوں! تمھارے خطوں کا ایک انبار میرے پاس موجود ہے اور ڈرتی ہوں کہ یہی ذوق و شوق اگر چند روز جاری رہا تو میرے گھر میں کتنے بکس اس ردّی سے بھرے جائیں گے! جب کبھی میرے مکڑی کے جالے میں کسی اخبار کا اڈیٹر یا مطبع کا مالک آکر پھنسے گا تو میں اُس سے فرمایش کروں گی کہ وہ اِن جواہر ریزوں کو ضرور شائع کردے! اُس وقت تک آپ غالباً خودکشی کرچکے ہونگے اور اِس اندوہناک واقعہ کے بعد غالباً آپ کے نام کی اشاعت بھی نامناسب نہ ہوگی! آپ کی اِن "ادبیات" سے ایک دنیا گونج اُٹھے گی۔ اور نقادانِ سخن اُن صفحات پر کیا کیا سر دُھنیںگے! آپ کی خاطر اِن ملفوظات پر میں خود ایک مقدمہ لکھ دونگی، گو کہ یہ کام تو دراصل قیس بن عامری کے لیے موزوں ہوتا!!

تو غرض، آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ میں اظہار التفات عاشقانہ کے ان بے مثل نقوش کو ضائع کردیتی ہوں، یا بقول آپ کے ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیتی ہوں۔ کم از کم اِس کا تو یقین دلاتی ہوں کہ اگر میری نسل میں میرے نام کا کوئی لینے والا باقی رہا ـــــ جس کی نظاہر

کوئی امید نہیں ـــــ تو آپ کی اس ادبی مصوری کا پلندہ میرے بعد نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطناً ایک تاریخی یادگار کی طرح محفوظ رہیگا!! اور یہ سمجھ کر کہ میں آپ کے التفاتِ بے پایاں کی قدر نہیں کرتی، دل شکستہ نہ ہو جیئے اور اپنی غیرت مردانہ کو ٹھیس نہ لگائیے۔ آپ کا یہ خیال غلط ہے ـ ـــــ جانتی ہوں کہ تم اس خط کو پڑھتے جاؤ گے اور خفا ہوتے جاؤ گے، لیکن ایمان سے کہتی ہوں کہ تمھاری شکایت کے جواب میں جو کچھ عرض کیا اُس سے کم یا اُس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی، کسی دن تم آؤ گے تو میں تم کو تمھاری جیسی اور بھی بہت سی تصانیف دکھاؤنگی۔ القاب و آداب و اشتیاق دیدار و استدعائے "وصل" سے لے کر "تم پر جان فدا کرنے والا" "نامراد، ناکام، ناشاد، غم نصیب" تک یہ سب نسخے یا تو تمھارے خطوط کی نقل ہیں یا تمھارے خطوط اِن صفحات کی! شاید اپنی اِن "وکالت" کے جواب میں تم چاہتے ہو کہ میں بھی بہت سا وقت اِسی طرح ضائع کیا کروں، تم ہی بتاؤ کہ میں دوکانداری کروں، روزی کماؤں، نانِ شبینہ کا وسیلہ ڈھونڈھوں، اپنے گاہکوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی فکریں کروں یا بیٹھی ہوئی تمھارے ادبی مذاق، نکتہ سنجی اور قلم کی روانی کی داد دیا کروں! میرے خطوط کی تم بہت حیران ہو ہو کر تعریفیں کیا کرتے ہو، گویا تمھارے خیال میں انشاپردازی صرف مردوں کا ہی حصّہ ہے! باوجود اس قدر دلچسپ خطوط کے جو میں تم کو لکھتی ہوں تم جو میری کم التفاتی کا گلہ کرتے ہو تو یہ نہیں دیکھتے کہ

میرا یہ التفات کیا کم ہے کہ میں تم کو اپنے دل و دماغ کی یہ تصویریں
بھیجا کرتی ہوں۔ میری کتاب زندگی میرے عشاق کے لیے سربمہر ہے،
آج تک بہت سے آئے اور بہت سے چلے گئے، ادعائے عاشقی کے ساتھ
روتے ہوئے آئے اور جھک مارتے ہوئے چلے گئے، قسم لو جو اس کتاب کا
ایک ورق بھی اُن کے سامنے کھولا گیا ہو! میں تم کو چاہتی ہوں ——
بہت تھوڑا سا، خفیف سا چاہتی ہوں —— بس اتنا چاہتی ہوں کہ
تم کو دھوکا دینا نہیں چاہتی —— مگر تم اڑے ہوئے کہ کسی طرح مُردہ
کو قبر سے نکال لاؤ! میں کہتی ہوں اس راکھ کے ڈھیر کو نہ کریدو مبادا
کوئی چنگاری نکل آئے اور ناحق تمھاری انگلیاں جل جائیں! حاصل
کچھ بھی نہ ہوگا! یاد رکھو کہ یہ ناپاک جسم کتنے ہزار مردوں کے سامنے
عریاں ہو جائے، مگر میری روح پھر بھی کسی کے سامنے عریاں نہ ہوگی
—— ہاں مگر —— جب وہ شخص آئے جس کو میری روح کے عریاں
دیکھنے کا حق اور حوصلہ ہو!! تمھارا جی گھبرایا کرے تو شام کو چار بجے کے
قریب میرے گھر آ جایا کرو اور بیٹھے ہوئے دیکھا کرو کہ جس طرح تم اپنے
عاشقانہ خطوط میں اپنے عشق کی داستان بنا سنوار کر بیان کرتے
ہو میں بھی تم جیسوں کے لیے اپنے حسن کے تصنعات کی افزایش کے لیے
کیا کیا تدبیریں کرتی ہوں! دیکھا کرو کہ پلکوں کی نوکیں کس طرح زیادہ
نوکدار بنائی جاتی ہیں، دشنۂ مژگان کس طرح تیز کیے جاتے ہیں، بال
کس طرح سنوارے جاتے ہیں، رخساروں کو کس طرح سرخ بنایا جاتا ہے،

ناخن کیونکر خوبصورت بنائے جاتے ہیں، خم ابرو کو کس طرح "شمشیر براں" بنایا جاتا ہے، آنکھوں میں کیونکر سُرخ ڈورے پیدا کیے جاتے ہیں، کمر کی چستی کو کس طرح نمایاں کیا جاتا ہے اور سینہ کے ہیجان انگیز ابھار کے تعمیر میں کس قدر فنی قابلیت صرف کی جاتی ہے ـــــ یہ سب تم جیسے بیوقوف نظربازوں کے لیے!! ـــــ پھر میرا تمھارا مقابلہ ہے، میری تمھاری صناعی اور خیال آفرینی کا مقابلہ ہو! میں ہر روز کوئی نئی ادا ایجاد کروں اور تم ہر روز ایک نئے انداز سے قصیدہ خوانی کرو!

تیرہواں خط

قدرت کے دو بچوں کی جوانی نے ایک دن کہا، آؤ ایک کشتی بنائیں۔ اُنھوں نے ایک چھوٹی سی کشتی بنائی، محبت سے اُس کے تختے جوڑے اُس کو اپنے باغ کے خوبصورت تالاب میں ڈال دیا، جہاں موسم بہار کی معطر ہوائیں اُس ننھے سفینے کو پانی کی ہلکی لہروں پر جھولا جھولایا کرتی تھیں۔ وہ کشتی کاغذ کی نہ تھی، نہ لکڑی کی تھی، نہ لوہے کی، لیکن کاغذ سے بھی زیادہ ـــــ پھول کی پتّی سے بھی زیادہ ـــــ نازک تھی۔ اُس کے بنانے والے جانتے نہ تھے کہ ایسی کشتیاں کس قدر نازک ہوتی ہیں۔ شاید اُنھوں نے یہ سمجھا کہ ایک چھوٹے سے باغ کے چھوٹے سے تالاب

کے بے موج اور بے طوفان پانی کے لیے کشتی کو مضبوط بنانے کی ضرورت نہیں۔ وہ بھول گئے کہ تالاب کی کشتی کو بھی کسی دن طوفان خیز سمندروں اور تیز دریاؤں میں جانا پڑتا ہے! خود تالاب بھی دریا اور سمندر بن سکتا ہے ــــ وہ ان خطرات کو بھول گئے مگر بھول جانے سے خطرات کم نہیں ہو سکتے۔ یہ خدا کا نہ بدلنے والا قانون ہے! ــــ

برسات آئی، ایسی برسات آئی کہ چاروں طرف سے نالے، چشمے اور دریا اُمنڈ آئے۔ پھولوں کی کیاریوں کو پانی کی چادر نے ڈھانک لیا۔ جنگل کے درخت پانی کی قوت اور ہوا کے طمانچوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ زمین کا کوئی نشیب ایسا نہ تھا جس پر پانی نے قبضہ نہ کر لیا ہو۔ قرب و جوار کی جھیلیں لبریز ہو کر چل نکلیں اور انھوں نے گویا ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر انسانوں کی آبادیوں کو گھیر لیا بڑے بڑے میدان جزیرے بن گئے، ننھی کشتی والا تالاب بھی دریا ہو کر بہہ نکلا۔ اُس کی ذرا سی کشتی جو ہوا کا ایک جھونکا بھی نہ سہار سکتی تھی سیلاب کے آغوش میں پھنس گئی۔ وہ اُس کو ٹھکراتا ہوا لے چلا ــــ منزلِ فنا کی طرف! ــــ جنگل کے بادشاہ کی طرح جو بے خبر چکارے کو منہ میں بھر کر لے جاتا ہے، یہ سیلِ فنا اپنا شکار لے کر چل دیا ــــ جب تک اس ننھے سفینے میں دم تھا ــــ اور دم ہی کتنا تھا ــــ اُس نے سنبھلنے کی کوشش کی، لیکن کوئی سہارا نہ تھا، کشتی والے بے خبر تھے، اُنھوں نے کس محنت سے یہ سفینہ بنایا تھا اور کس بے پروائی سے اُس کو

بھول گئے! تالاب کے پانی اور برسات کی ہواؤں نے، یوں گویا کہ دونوں کی سازش تھی، ایک دو دن اس شکستہ لنگر کشتی کو اِدھر اُدھر گھسیٹا اور پھر ایک آخری جھٹکا دے کر چھوڑ دیا ——

ایک طرف کیچڑ ہیں جہاں مینڈکیں بول رہی ہیں، اور جھینگر شور مچا رہے ہیں، درختوں کے گرے ہوئے پتے سڑ رہے ہیں، چند گلے ہوئے تختوں کا ایک انبار پڑا ہوا ہے، کچھ کیچڑ میں کچھ کیچڑ کے باہر کسان جب صبح کو اپنے کھیت کی طرف جاتا ہے تو اُس کوڑے پر جو متعفن ہو چلا ہے پاؤں رکھتا ہوا گذر جاتا ہے۔ اُس بے خبر کو کیا معلوم کہ اس متعفن کوڑے کے ڈھیر میں کسی ایسی کشتی کے چند تختے بھی پڑے ہوئے گل رہے ہیں۔ جس کو بنانے والوں نے بڑے شوق سے بنایا تھا ——

کوئی ان بے خبر کشتی والوں کو بلائے۔ اگر چاہیں تو اِن تختوں میں اب بھی اتنی سکت باقی ہے، کہ پھر اپنی کشتی بنالیں۔ وہ ایسی مضبوط تو نہ ہوگی جیسی پہلے تھی، مگر کسی چھوٹے سے باغیچہ کی نہر میں اب بھی پڑی رہ سکتی ہے!! ورنہ کچھ روز بعد یہ تختے بھی گل سڑ کر جز و خاک ہو جائیں گے۔ اِن غافلوں نے ایسی ہزاروں لاکھوں کشتیاں بنائی ہیں، پانی میں ڈالی ہیں، توڑی ہیں، غرق کی ہیں اور کیچڑ میں پھینک دی ہیں! کہیں کوئی ملاح ہے جو اس ٹوٹی ہوئی کشتی کے تختوں کو جوڑ دے، جو اس کشتی کے لیے ایک بادبان اور لنگر کہیں سے لا دے؟ ——

میرے مہربان! یہ پہیلی جو بیان کی گئی، آپ بیتی ہے۔ جوانی کا نوشتہ

جب گرم ہوتا ہے ـــــ مرد کا خون ـــــ تو یہ پہیلیاں سمجھ میں نہیں آیا کرتیں۔ یہ جو ایک آگ تمھارے کلیجہ میں روشن ہے، یہ جو آتش سیال تمھاری رگوں میں دوڑ رہی ہے، اُس کی گرمی ذرا کم ہونے دو، سرسام کم ہو، بخار اُترے، حواس درست ہوں تو پھر ایک مرد کی طرح ایک عورت کی داستان سن لینا۔ ابھی تو نہ تم صحیح معنی میں مرد ہو، نہ میں تمھارے لیے صحیح معنی میں عورت ہوں! ہم دونوں فی الحال محض حیوان ہیں ـــــ نر اور مادہ! تم سمجھتے ہو کہ تم میرے عاشق ہو، تم کچھ بھی نہیں۔ ایک ڈاڑھی مونچھ والے شیر خوار ہو جو دہکتے ہوئے انگارے کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور خوش ہو کر ہاتھ میں اُٹھا لیتا ہے، اور جب اُٹھا لیتا ہے تو ہاتھ کے چھالوں کی سوزش سے بیتاب ہو کر چلاتا ہے "ہائے میں مرتا ہوں ـــــ ہائے میں جل رہا ہوں! ـــــ ہائے میں پھک رہا ہے ـــــ" پھر یہ چھالے چند روز میں اچھے ہو جاتے ہیں۔ وہی ہاتھ پھر کسی دوسرے انگارے کی جانب پھیلنے لگتا ہے پھر وہ کچھ انگارے چھو لیتا ہے، اور پھر اپنے چھالوں کو ہرا کر لیتا ہے، پھر اچھا ہوتا ہے، پھر زخمی ہوتا ہے، پھر زخمی ہوتا ہے، پھر زخمی ہوتا ہے!

اس خواب پریشان کی تعبیر کم ملتی ہے، اور ملتی ہے تو بہت دیر میں ملتی ہے۔ اگر کوئی تعبیر تمھیں مل جائے تو میرے پاس آئیو۔ میں ایک اُجڑی ہوئی زندگی کی داستان ہوں، اُس کے سُننے والے اس دنیا میں بہت کم ہیں۔ جس دن وہ داستان کہنے بیٹھوں گی اُس دن

کہوں گی کہ میری طرح لاکھوں خانماں برباد عورتوں کو اے پاجی مرد، تیرے عشق کی ضرورت نہیں، رحم کی ضرورت نہیں، او ظالم! انصاف کی ضرورت ہے!!

چودھواں خط

تم نے کل ایک نوجوان سبزہ آغاز کو میرے گھر بیٹھے دیکھا ہوگا۔ کچھ دنوں پہلے یہ غریب ایک سخت مرض کے شدید دورہ میں مبتلا تھے۔ اُن کو گمان یہ تھا کہ میں اُن کو چاہتی ہوں۔ میں نے ہزار کوشش کی کہ یہ خیال اُن کے دل سے نکل جائے مگر وہ یہ سمجھتے ہی رہے کہ گویا میں اُن پر مرتو رہی ہوں مگر اپنی نسوانی شرم و حیا کے باعث اُن سے اظہار محبت نہیں کر سکتی! —— رندان عشق بازی کی اصطلاح میں —— "دکھلتی"، نہیں۔ وہ شاید منتظر تھے کہ کسی دن میں بیتاب ہوکر اُن کے قدموں پر سر رکھ دوں گی!! میری کج ادائیوں کو وہ عشق کی پردہ داری سمجھتے تھے۔ میرا اُن کا واسطہ اُس دن سے ہے جس دن تم نے پارک میں مجھے اُن کے ساتھ دیکھا تھا۔ پہلی شب کی قیمت بہت زیادہ تھی —— بڑے بڑے سودے کرتی ہوں، حسن کی مہاجن ہوں اور خریدار کی جیب کا اندازہ کرکے اپنے دام

مقرر کرتی ہوں! اُس شب کو بیچارے بہت ہی انداز خود نمائی کے ساتھ میری خواب گاہ میں تشریف لائے۔ اُن کے ناز و انداز کو دیکھ کر میں اپنا ناز و انداز بھول گئی! غضب یہ کہ جب تخلیہ میں میرے پاس بیٹھے تو بار بار اپنی پنڈلیوں اور بازوؤں کی گولائی اور جسم کے تناسب کا مظاہرہ کرنے کی کوششوں میں بہت سا وقت ضائع فرمایا۔ بجائے اس کے کہ مجھ سے "اقدام رندانہ" فرماتے اس کے متوقع تھے کہ میں اُن سے "اقدام رندانہ" کروں! دیر تک بہت ہی معشوقانہ انداز میں میرے تکیہ پر کُہنی جمائے بیٹھے رہے۔

میں نے انگڑائیاں لینی شروع کیں، وہ دوسرا پہلو بدل کر بیٹھ گئے! مجھے جماہی آئی تو اُنھوں نے آئینہ میں اپنے بالوں کو درست کرنا شروع کر دیا! میں نے دق ہو کر پہلو بدلا تو وہ اپنے پاجامہ کو پنڈلیوں پر ٹھیک کرنے لگے! میں نے کچھ گنگنانا شروع کیا تو وہ اپنے ہاتھ کی سُنہری گھڑی کا تسمہ درست کرنے لگے! غرض کہ میرے انتظار کی حد ہو گئی اور جب اُن کو کسی طرح جارحانہ طرزِ عمل پر آمادہ نہ کر سکی تو آخر زچ ہو کر میں نے طے کر لیا کہ اب ذرا اِن کا دماغ درست کیا جائے! میری اُن کی گفتگو سنو!:-

میں۔ اس وقت مزاج کیسا ہے؟

وہ۔ جی شکر ہے اچھا ہوں۔

میں۔ آپ نے مجھے کیوں یاد فرمایا ہے؟

وہ۔ ایک عورت کو ایک مرد کیوں یاد کرتا ہے؟

میں۔ آپ ہی بتائیے۔

وہ۔ میں کیا بتاؤں آپ سمجھ جائے۔

میں۔ صاف کہیے مطلب کیا ہے؟

وہ۔ مطلب؟ مطلب تو وہی ہے جو ہر مرد کا عورت سے ہوتا ہے۔

میں۔ یعنی؟

وہ۔ اب میں کیسے سمجھاؤں؟

میں۔ کچھ تو کہیے۔

وہ۔ کہوں کیا؟ کیا آپ نہیں جانتیں؟

میں۔ لعنت بہ کارِ شیطان! کہتے کیوں نہیں کہ تم مجھ سے اپنے روپیہ کا معاوضہ چاہتے ہو۔

وہ۔ ٹھیک ہے۔ میں تمھیں چاہتا ہوں۔ بہت عرصہ سے تم پر مرتا ہوں۔

میں۔ چاہنے اور مرنے کو تو سامنے طاق پر رکھ دو۔ تم نے دام دیے ہیں۔ مجھ سے قیمت وصول کر لو!

وہ۔ (حیران ہوکر) کیا کہا؟ میں تو تمھاری محبت چاہتا ہوں۔

میں۔ جنابِ عالی! محبت خریدی نہیں جایا کرتی ــــ بکا نہیں کرتی!

وہ۔ پھر کیا تمھیں مجھ سے نفرت ہے؟

میں۔ تم سے نفرت ہی سہی، تمھارے پیسہ سے تو نفرت نہیں ہے۔

وہ۔ مگر میں تو تمھیں چاہتا ہوں، میری ہو جاؤ۔

میں ۔ یہ کیا فضول بکواس ہے، صاحبزادے! تم نے میرا جسم آج شب کے لیے خریدا ہے وہ حاضر ہے ۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم اِس بستر کی چادر اور تکیہ بازار سے خرید لاتے، یا جس طرح تم اپنی آسائش کے لیے بجلی کا یہ لیمپ خرید لیتے، یا اپنے گھر کے آتش دان کے لیے بازار سے کوئلہ منگواتے ——— سودا سُوچ کر کرو، تم نے کیا خریدا؟ میرے جسم کی سفید اور گلابی کھال، میرا نفیس و معطر لباس، میری خوبصورت آنکھوں کی چمک، میری نرم انگلیاں، میری آواز کا رس، میرا تمام حُسن ظاہری ——— بس ——— اس کے علاوہ کچھ نہیں! تم نے لفافہ خریدا ہے۔ خوان پوش خریدا ہے۔ یاد رکھو تم نے اُس عورت کو نہیں خریدا، نہ خرید سکتے ہو، جو اِس جسم کے اندر ہے۔ تم نے جسم کو خرید لیا اور وہ سب کچھ خرید لیا جو جسم کے باہر ہے ——— چلو! اب سو جائیں!

یہ شخص میری اس گفتگو کو خاموشی کے ساتھ سنتا رہا اس طرح کہ نہ اس نے آنکھ اٹھائی نہ لب کھولے۔ کچھ دیر خاموش رہ کر وہ اُٹھا، کہنے لگا "معاف کیجیے، مجھ سے غلطی ہوئی، میں غلط سودا خریدنے آگیا، مجھے اصلی عورت چاہیے۔ محض جسم کی ضرورت نہیں"۔ میں نے بھی کہا "افسوس ہے، میں مجبور ہوں، جو چیز موجود ہے ——— اُس میں محبت نہیں"۔

"تو کیا میں" اُس نے کہا "نہ سہی ایک چاہنے والے کی حیثیت سے،

مگر محض ایک شنا سا اور دوست کی حیثیت سے، کبھی کبھی آپ کے پاس آسکتا ہوں، اِس شب سے زیادہ وہ ملاقاتیں میرے لیے پُر لطف ہونگی۔ اجازت ہے؟"——

اس طرح میری اور ممتاز کی دوستی شروع ہوئی، ہماری یہ دوستی عشق و محبّت کی شورش سے پاک ہے، وہ آتا ہے، گھنٹوں میرے بستر پر پڑا رہتا ہے، میری زندگی کی داستان کا ایک حصّہ اُس نے میری زبان سے سُن لیا ہے ——— تم ایک لفظ بھی آج تک نہ سُن سکے! اور شاید کبھی نہ سُن سکوگے مشکل یہ ہے کہ تم میرے دوست اور جلیس نہیں ہو ——— محض عاشقِ زار ہو!!

ممتاز کبھی کبھی آتا ہے، اپنا کوئی دلچسپ قصّہ سُنا جاتا ہے، میری زندگی کا کوئی تمسخر انگیز واقعہ سُن کر گھنٹہ دو گھنٹہ ہنستا رہتا ہے۔ بانکپن کی جو ادائیں اُس نے پہلی شب مجھے دکھائی تھیں اُن کا اب پتہ بھی نہیں۔ نہ وہ ادعائے حُسن ہے، نہ اپنی جامہ زیبی کا مظاہرہ۔ مجھ تجارت پیشہ کے لیے یہ ایک نئی قسم کی اور بہت پاکیزہ تفریح ہے۔ جس کی جدّت آج کل میری دلچسپی کا باعث ہے ——— تمھارے عشق سے زیادہ!!

پندرہواں خط

مجنون بے صحرا! ان القابوں سے خفا تو نہیں ہوتے ؟ بے ملک کے نواب تو سُنے بھی اور دیکھے بھی، تم بے صحرا کے مجنون ہو جس طرح میں بے محل کی لیلیٰ ہوں! تم شہر کے مجنون! میں بستی کی لیلیٰ! جاؤ! تم اپنا صحرا ڈھونڈھو، میں اپنا ناقہ تلاش کروں ہم تم پھر کسی دن ایک راستہ پر آجائیں گے! ابھی تو میرے متعلق تمھارا اور اک صفر ہے۔ جب میں تمھارے آغوش میں ہوتی ہوں، مگر تم سے کس قدر دور اور بعید، باتیں کرتی ہوں، ہنستی ہوں، تمھاری باتوں پر قہقہے لگاتی ہوں، تمھارے چٹکیاں لیتی ہوں، کبھی محبت سے تمھارے نرم اور چمکدار بالوں پر ہاتھ پھیرتی ہوں تو کیا تم کبھی سمجھے کہ اس وقت اور اس حالت میں بھی میرا دل و دماغ تمھارے پاس نہیں ہوتا! میرا وجود معنوی تم سے بہت دور ہوتا ہے! ایک ننھے بچے کی طرح جو گراموفون کے چاک کو گھومتے اور سوئی کو اس پر چلتے دیکھتا ہے اور نہیں جانتا کہ آواز کہاں سے آرہی ہے، تم میرے چاک کو گھومتے دیکھتے ہو، سوئی کو ہمہ وقت چلتے پاتے ہو، میرے جسم کی گرمی کو محسوس کرتے ہو، مگر دل کی افسردگی کو نہیں پاتے۔ اندر جو مشین پرزوں کو چلاتی ہے اس سے قطعاً بے خبر ہو۔ گوشت اور پوست کا ایک خوبصورت تودہ

اپنی ہئیت ظاہری میں نہایت حسین، جس کو تم از راہِ الفت شاعرانہ گلدستہ کہا کرتے ہو، تمھاری بغل میں رکھا ہوتا ہے، لیکن وہ جو اندر ایک کل چلتی ہوتی ہے اُس سے تم ہمیشہ بیگانہ رہے ہو اور ہمیشہ بیگانہ رہو گے۔ اِدراک کی اِس ذرا سی پونجی پر عورت کو احمق کہتے ہو؟ احمق صرف اِس لیے کہ اپنی نسوانیت کی دوکان لگا کر سرِ بازار بیٹھتی ہوں، احمق اس لیے کہ دونوں وقت اچھا کھاتی ہوں اور اچھا پہنتی ہوں؟ یا احمق اس لیے کہ اللہ نے مجھے حسین بنایا اور دنیا والوں نے فطرت کے آغوش سے نکال کر مجھے اِس گندگی میں ڈال دیا؟ کیا یہ زندگی جس پر دنیا کے زاہد و متقی ناک بھوں چڑھاتے ہیں میں نے خود اپنے لیے تجویز کی؟ کیا یہ وجہ معاش جس کو نہایت قرأت واُودی کے ساتھ حرام کہا جاتا ہے اور ح کو بالکل صحیح مخرج سے ادا کیا جاتا ہے میرا انتخاب ہے؟ یہ حُسن فروشی کی دوکان جس پر میں بٹھائی گئی کس نے کھولی؟ میں نے؟ اس دُکان پر آنے والے گاہک کون ہیں؟ کس کے دم سے یہ سارا کاروبار چلتا ہے؟ میرا بس چلتا تو ان عمامہ والوں کو جو زیب محراب و منبر ہیں، مسجدوں اور حجروں سے کھینچ کھینچ کر باہر لاتی اور کہتی کہ آؤ، کچھ روز اس گناہگار کے پاس رہو، مفت کی روٹیاں کھانے اور چار چار نکاح کرنے سے فرصت ہو تو اِس عاجز کے سیاہ خانہ کو منور فرمائیے، جس کا سینہ ہنوز جناب کے اُس سینہ سے زیادہ صاف و پاک ہے، جس پر قرآن کے تیس ۳۰ پارے ثبت ہیں! یہ جو اخلاق و اعمال کے معیار

قائم کیے جاتے ہیں، یہ جو طالب علموں کے پائجاموں اور داڑھیوں کا طول ناپا جاتا ہے، یہ جو پیشانیوں کے گھٹے پانچ وقت دھوئے جاتے ہیں، یہ جو محراب اور منبر اھدنا الصراط المستقیم سے گونجتے ہیں اور مدرسہ کی دیواریں "کافر و ملعون" کی کڑک سے کانپتی ہیں، یہ سارا تماشہ کیا ہے؟ علم و فضل کے مدعیوں کا یہ وہی فریب نفس ہے جس کی بنا پر معلم الملکوت مردود قرار پایا تھا، یہ وہی تکبر ہے، وہی نخوت ہے وہی فریب ہے! انسان اور خصوصاً مرد کا بدترین گناہ، اُس کی فریبی فطرت کا ثمر اولین! مگر یہ وہ گناہ ہے جس میں محراب و منبر کے شمعدان اور قندیلیں آلودہ ہیں جس سے مسجد کے لوٹے ناپاک ہیں لیکن ایک عصمت فروش ہنوز پاک ہے! یہ ناپاک اور حیا سوز زندگی، الحمدللہ، اب بھی اُن دیندار دنیا پرستوں کے حال سے بہتر ہے۔ میں عصمت فروش ہوں، اور کہتی ہوں کہ عصمت فروش ہوں، میں کھوٹا سکّہ ہوں اور سب جانتے ہیں کہ کھوٹا سکہ ہوں، میں اپنے ملمع کو زر خالص نہیں کہتی، میں زہد و اتقا کی مسند کو مکر و فریب کے ساز و سامان سے آراستہ کر کے، ہاتھ میں تسبیح لے کر اور داڑھی میں عطر لگا کر، دوسروں کی جیب میں ہاتھ نہیں ڈالتی، نہ شریعت کا نام لے کر عیاشی اور نفس پرستی کرتی ہوں! میرا گناہ تو یہ ہے کہ میں اپنا جسم فروخت کرتی ہوں، اس لیے کہ ان دنیا کے موذیوں نے مجھے جس اکل حلال سے محروم کر دیا اُس کو کسی نہ کسی طرح حاصل کر سکوں، تم حیران نہ ہو جیو، میرے عشاق کی فہرست میں محراب و

منبر کے ان "برہمنوں" اور مذہب کے اِن سرمایہ داروں کو ساہوکاروں کے اسم ہائے گرامی بھی موجود ہیں! فرق ہے تو صرف اتنا کہ اکثر یہ عشق بھی شریعت کے لباس میں آیا، یعنی یوں آیا کہ اظہار التفات کی چند بھدّی کوششوں کے بعد نکاح کا پیغام! میں نے عرض کیا کہ حضور! میں آپ کے حرم میں رہ کر عصمت فروشی کرنے کے بجائے بازار ہی میں اپنی رسوائی پسند کرتی ہوں۔ یہ نکاح میری آپ کی سیاہ کاری کو کم نہ کردے گا، صرف یہ ضرور ہوگا کہ آپ میری عصمت فروشی کے اجارہ دار ہو جائیں گے، ماشاء اللہ، دو دو تین تین بیویاں گھر میں بیٹھی ہیں، عمر بھی اب ساٹھ کے قریب آگئی، میں غریب ولیمہ کے پلاؤ، نکاح کے چھواروں اور بسم اللہ کے بتاسوں پر تین حصّہ داروں کے ساتھ کیونکر گذر کرونگی .... خفا ہوگئے، کہلا بھیجا کہ "او ملعون چھوکری تیرا مقام جہنّم ہے، خالدین فیھا ابدا ــــ"!! .... یہ عجائبات بھی دیکھتی رہتی ہوں، یہ حیوان مطلق مگر ناطق، جس کا نام مرد رکھا گیا ہے، کیسے کیسے دعوے کرتا ہے، کیسے کیسے فریب دیتا ہے۔ "ہم ناقص العقل عورتوں کے محافظ و نگراں ہیں"۔ اللہ رے محافظ و نگراں! ناقص العقل بکریوں کا یہ گلّہ اور اُس کے نگہبان یہ عالی دماغ گُرگ، اِن گلّہ بانوں کے سایۂ عاطفت میں آج مجھ جیسی کتنی خانماں برباد ہستیاں زندگی کے تاریک دن اور تاریک تر راتیں گذار رہی ہیں، اور پھر کیسے کیسے طعنے سُنتی ہیں! عورتیں احمق ہوتی ہیں، ناقص العقل ہوتی ہیں، فطرتاً مرد سے کمتر ہیں۔

آج میں بالائے بام کھڑی ہو کر پکارتی ہوں، بر سرِ بازار پکارتی ہوں کہ ہمارے وہ محافظ و نگراں کہاں ہیں اُن کی نگہبانی کا شرم ناک ثبوت میری اُن ہزارہا بدنصیب بہنوں کا وجود ہے جو ایک مٹھی آٹے کے لیے ان نگہبانوں کے آنکھوں کے سامنے اپنی زندگی کا عزیز ترین سرمایہ ہر روز فروخت کرتی ہیں ـــــ اور ہر روز یہ نگہبان اپنی عبا کا دامن ہلاتے اور آستینیں جھٹکتے اُن ہی بدنصیبوں کے دروازوں سے گذر جاتے ہیں! ـــــ پھر پکارتی ہوں کہ کہاں ہیں ہمارے یہ محافظ و نگراں!........ مسجدوں میں ڈھونڈھوں خانقاہوں میں ڈھونڈوں یا مدرسوں میں؟

سولہواں خط

آفتاب کی ایک شعاع، اور ماہتاب کی ایک کرن بھی تم چاہو کہ اپنی ساری دولت دے کر خرید لو تو نہیں خرید سکتے! عورت کے قلب کی روشنی اور گرمی اس سے بھی زیادہ گراں ہے۔ یا مفت ملتی ہے یا نہیں ملتی۔ تمہارے تحائف و ہدایا میرے سر آنکھوں پر، میں نے اُن کے قبول کرنے سے کب اِنکار کیا ہے یا کب اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ تم پنساری کی دوکان پر جواہر خریدنا چاہتے ہو۔ اگر یہ داد و دہش کسی چیز کی قیمت ہے تو وہ میرے جسم کی

قیمت ہے، سوائے اس کے میری دوکان پر اور کوئی مال نہیں بکتا۔ باقی سب تمھاری
عقل کا قصور ہے۔ مرد اکثر عورتوں سے کہا کرتے ہیں "مجھ سے محبت کرو۔" گویا یہ بھی ایک
لباس ہے کہ اِس کو اتارو اور اُس کو پہنو۔ پھر کہتے ہیں "تم محبت نہیں کرتیں، تم مجھ سے
مانوس نہیں ہوتیں، تو میں تمھیں محبت کرنا سکھا دوں گا۔" ایک دن تو ایک
صاحب نے انتہائے جوشِ الفت میں بہت بسور بسور کر فرمایا "اچھا
تم کہتی ہو تم محبت کر ہی نہیں سکتیں تو پھر کچھ دنوں بعد میرے جذبۂ عشق
کو دیکھنا، تمھیں میرے عشق کی قدر کرنی ہوگی۔" کیا خوب! میں نے
عرض کیا، جناب والا میں حاضر ہوں۔ اپنے عشق کا تختۂ مشق بنا کے
آپ کی جانثاری کی قدر کرتی ہوں، کیا عجب ہے کہ مجھے بھی رفتہ رفتہ
آپ سے عشق ہو جائے۔" بہت خوش ہوئے ایک برس تک میرا اُن کا
ساتھ رہا، لاکھوں دفعہ مجھ سے پوچھتے تھے۔ "کہو اب تم مجھ سے کچھ کچھ
محبت کرنے لگیں؟" آخر، تمھاری طرح ایک دن میں اُن سے بھی
کھُلی، میں نے کہا، "حضرت! میرا عشق روز بروز ترقی کر رہا ہے۔
مگر ایک بڑی مشکل نظر آتی ہے، ہمارے آپ کے عشق کا خدا حافظ!"
بہت گھبرائے، "سچ کہو کیا بات ہے۔" "کیا کوئی اور بھی ہے؟"
میں نے بہت سوکھا منہ بنا کر کہا۔ "جی نہیں، اور تو آدھے درجن سے
بھی زیادہ ہیں۔ مگر مجھے تو اب آپ سے اُنس ہو چلا ہے"، کہنے لگے،
"پھر خدا کے لیے بتاؤ وہ مشکل کیا ہے"؟ —— گویا کہ ابھی ابھی
اُس کو آسان کر دیں گے! میں نے کہا۔ "مشکل یہ ہے کہ میرا عشق روز بروز

گرم ہوتا جاتا ہے اور آپ کی جیب خالی ہوتی جاتی ہے، اگر یہ بڑھا اور وہ گھٹی تو پھر اس عشق کی بھاری گاڑی افلاس کے کچے اور ناہموار راستہ پر کیونکر کھینچی جائے گی۔" اول تو حیران ہوئے، پھر کچھ سمجھے، آدمی غیرت دار تھے، بات سمجھ میں آگئی، پھر کبھی لوٹ کر نہ آئے........ تم کہتے ہوگے کہ اس عورت کے دل میں نام کو رحم و انصاف نہیں، میرے دوست کس کے دل میں ہے؟ رحم و انصاف اس بازار کی جنس نہیں! تم اپنی طرف دیکھو۔ جانتے ہو کہ میں تمھیں اس طرح نہیں چاہتی جس طرح فطرت کا اقتضا ہے کہ ایک عورت ایک مرد کو چاہے۔ پھر بھی تم میری نسوانیت پر ڈاکے ڈالتے ہو اور اپنی اس دولت پر نازاں ہو۔ کل مجھ سے زیادہ حسین کوئی عورت ملے گی اُس کو فتح کر وگے! پرسوں کوئی اور۔ تم تو جانتے ہو، میرے تم جیسے کتنے دوست وہ ہیں جن کے گھروں میں بیویاں ہیں، وہ بیویاں جن کے تخیل کو بھی گھر کی دیوار کے باہر جانے کی اجازت نہیں۔ ننھے بچے ہیں جو باپ کی شفقت کے جائز حقدار ہیں۔ فطرت کی امانت ہیں جو انسان کے جوڑے کو سپرد کی جاتی ہے تاکہ وہ دنیا کے کارخانے کو قائم رکھے۔ وہ بیویاں جن کے خیال میں بھی کوئی دوسرا مرد نہیں آنے پایا۔ کیا نہیں جانتیں کہ اُن کا شوہر رات کو گھر آنے میں کیوں دیر کرتا ہے؟ اور آدھی رات تک کہاں رہتا ہے؟ گھر کی دنیا میں اُس کی جگہ صبح سے شام تک کیوں خالی رہتی ہے؟ میں نے اکثر ان مردوں سے کہا ہے کہ آخر تم مجھے سنگدل کہتے ہو، یہ طعنہ

تمھاری زبان سے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ایک بھیڑیا دوسرے بھیڑئیے کے خون آلودہ پنجوں اور دانتوں پر استہزا کرنے کا حق نہیں رکھتا، اگر انصاف و رحم سے میرا دل خالی ہے تو تمھارے دل میں کیا ہے ؟

توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر می کنند

جب کسی عاشق زار سے اس طرح کی باتیں کرتی ہوں تو شرما شرما کر ہنستے ہیں اور ٹال جاتے ہیں! اگر زیادہ آزمودہ کار ہوئے تو کہتے ہیں۔ "میں کیا کروں۔ تمھاری محبّت نے مجبور کر دیا۔ ورنہ یہ نہ سمجھو کہ مجھے اپنے اہل وعیال کی پروا نہیں۔ اس دل کو کیا کروں" واہ رے دل! ان کا دل مجبور ہے کہ مجھ پہ فدا ہو جائے، میرا دل مجبور ہے کہ وہ ایک یا دو یا چار عاشقوں پر قناعت نہ کرے وہ کہتا ہے جتنے ہوں کم ہیں۔ یہ تو اپنے دل سے مجبور ہو کر اپنے سارے خاندان پر لات مار دیں، اور میں اپنے دل سے مجبور ہو کر اُن کو بھی ٹھوکر مارنے کا لطف حاصل نہ کروں! یہ کیا منطق ہے ؟ جب تم شادی کر لوگے اور انسانی نسل میں بھی تمھاری وجہ سے کچھ اضافہ ہو جائے گا۔ اُس وقت میری ان باتوں کو یاد کرنا اور اگر اُس وقت بھی خود ایک بیوی پر قناعت نہ کر سکو تو اپنی بیوی سے کہنا کہ نیک بخت، تمھیں بھی عام اجازت ہے!!

مردوں کی یہ منطق کبھی میری سمجھ میں نہ آئی کہ مرد جو کچھ کرے اُس کی بداعمالی اس قدر قابل گرفت نہیں جس قدر عورت کی اخلاقی لغزشیں ہیں۔ کیوں ؟ یہ خود غرض جانور اپنے اور عورت کے لیے

اخلاق کے مختلف معیار قائم کرتا ہے۔ اپنی صفائی یوں پیش کی جاتی ہے کہ خود مذہب نے مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی اور عورت کو بہ یک وقت صرف ایک شوہر کی۔ تمہارے مولوی مُلا جو کچھ کہیں، مجھے کبھی یقین نہ آئے گا کہ اسلام نے تعداد ازدواج کو جائز رکھا ہے، اس طرح جائز رکھا ہے جس طرح اُس پر عمل کیا جا رہا ہے۔ میں تو صاف کہتی ہوں کہ یہ تعداد ازدواج شریعت کے پردہ میں عیاشی اور نفس پرستی کا بہانہ بنایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مرد کے نفسانی قوائے متعدد عورتوں کے طالب ہیں۔ ایک عورت جب ماں ہوتی ہے یا ہونے والی ہوتی ہے تو عرصہ تک مرد کی خواہشات نفسانی کو پورا نہیں کر سکتی میں ایک عورت ہوں اور تم سے صاف صاف کہتی ہوں کہ ایک عورت ایک مرد کے لیے کافی سے زیادہ ہے۔ فطرت کی کوئی خلاف ورزی اس سے بدتر نہیں کہ عورت اور مرد اپنی نفس پرستی میں مسلسل منہمک رہیں۔ یہ نفس کی قوت نہیں ہے بلکہ دماغ کی بیماری ہے جب مرد اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لیے ہمہ وقت ایک عورت چاہتا ہے۔ ورنہ صحیح اور فطری احساس نفسانی تو اس کا ہرگز متقاضی نہیں کہ یہ شغل مسلسل جاری رہے معاف کرنا میں کتنی ہی عصمت فروش سہی، پھر ایک عورت ہوں اور اس طرح کی باتوں کو صاف وصریح بیان نہیں کر سکتی، جہاں تک عورت کے احساس نفسانی کا تعلق ہے وہ اِس راز کو جان سے زیادہ عزیز

رکھتی ہے۔ آج جو کچھ میں نے تم سے کہا یہ بھی بہت ہے، بس یہ یاد رکھو کہ ایک عورت ایک مرد کے لیے کافی سے زیادہ ہے! کاذب اور مکّار ہے وہ شخص جو اپنی بے لگام نفس پرستی اور تعداد ازدواج کے لیے یہ دلیل لاتا ہے کہ ایک مرد کے لیے ایک عورت کافی نہیں!

ایک ذلیل اور بازاری عورت کو اگر خودستائی اور پندار کا طعنہ نہ دو تو میں کہوں کہ میں اب بھی اُن لوگوں سے بالاتر ہوں جن کی تسبیح کے دانوں میں دل کی سیاہی جذب ہو چکی ہے۔ میں صرف مردوں کی نفس پرستی کا ذریعہ اور اپنی معاشی کا وسیلہ ہوں، خود نفس پرست نہیں ہوں۔ اور اگر کبھی مجھ پر کوئی ساعت ایسی گذرتی ہے تو میرے پاس قلم نہیں اور زبان نہیں کہ اُس لمحہ کی حالت تم کو بتا سکوں، چاروں طرف دیکھتی ہوں اور دل کے اندر سے کوئی دوسری عورت جو اس جسم فانی سے الگ ہے پکارتی ہے۔ "میرا مرد کب آئے گا؟" تمھیں کیا معلوم کہ ہر عورت کا ایک مرد ہوتا ہے۔ اس دنیا میں اُس کا مرد جب اُس کو مل جاتا ہے تب وہ جانتی ہے کہ جنّت دنیا ہی کا دوسرا نام ہے۔ اِس دھوکہ میں نہ آؤ کہ ہر مرد ہر عورت کا مرد ہو سکتا ہے۔ ابھی تک یہ فطرت کا ایک راز ہے۔ میں تو اکثر سوچا کرتی ہوں کہ قسام ازل خود جوڑے لگا لگا کر دنیا میں بھیجتا ہے پھر دنیا والے اپنی حماقت سے اس تقسیم کو غلط کر دیتے ہیں۔ اور ساری دنیا کو ماتم خانہ بنا کر احمقوں کی طرح اپنی قسمت کا گلہ کرتے ہیں۔ قسمت! آیکث

ناقابل فہم اصطلاح ہے۔

جب ایک دائرہ کو مربع ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یا مربع کو دائرہ بنانے کی، یا جب سمندر میں اونٹ اور ریگستان میں مچھلیاں پالی جاتی ہیں، یا جب کائنات کے رموز نظر سے پوشیدہ ہوں اور دماغ میں بلند تر ہونے کی طاقت نہ ہو، یا جب خود غلطی کی جائے اور غلطی کے نتائج کو اُس غلطی سے منسوب نہ کیا جائے۔ یا جب زندگی کے ضوابط سے روگرداں ہو کر غلط راستہ اختیار کیا جائے اور صحیح منزل پر پہنچنے کا دعوےٰ، جب دعوےٰ کیا جائے اور دلیل نہ ملے، اُس وقت کہتے ہیں، "ہائے قسمت!".......

.........اگر قسمت ہی کوئی چیز ہے تو پھر مانو کہ خالق کی حکومت جابرانہ ہے، انسان مجبور و معذور ہے اور نہ گناہ کوئی چیز ہے نہ ثواب، نہ گناہ کی سزا نہ اعمال نیک کا کوئی اجر، یہ سب کچھ بھی نہیں، میں نے گناہ کی زندگی بسر کی میری قسمت، تم نے عیاشی میں اپنی دولت برباد کی تمھاری قسمت! تم کہتے ہو تم نے فلسفہ اور علم النفس کا کامل درس حاصل کیا ہے، میں بیچاری تو ناقص العقل عورت ہوں! تمھارا علم وفضل اگر کبھی اس اُلجھے ہوئے رشتہ زندگی کی کوئی گرہ کھول سکے تو مجھے بھی خبر کرنا!

سترھواں خط

توبہ، توبہ، خدا اور مذہب کا نام درمیان میں کیوں لاتے ہو؟
بازی بازی بارِیش بابا ہم بازی! میری تمھاری سیاہ کاریوں کو
خدا اور مذہب سے کیا تعلق؟

خدا کو کیا غرض میرے تمھارے درمیان کیوں ہو؟
تم کوئی "مولٰنا" یا "مولوی" تو ہو نہیں کہ تمھارا عشق بھی مذہب،
فقہ اور حدیث کا لباس پہن کر آئے! مذہب سے، یا جس کو تم مذہب
کہتے ہو اس سے میرا تعلق برائے نام ہے۔ میں مذہب اور خدا کو
کچھ یوں ہی سا جانتی ہوں، کوئی درجۂ دوئم یا سوئم کے "مولٰنا"
جو کبھی پھنس گئے ہیں تو اُن سے میں نے ع و ش و ق کو نہایت
قرائت داؤدی کے ساتھ، حلق کے صحیح مخرج سے ادا ہوتے ہوئے
سُن لیا ہے!! مگر ان مولٰناؤں کا عشق بہت بھدی قسم کا عشق ہوتا
ہوتا ہے آتا ہے تو اکثر نکاح کا پیام ساتھ لاتا ہے، یہ بیچارے صرف
ایک ہی قسم کی عیاشی جانتے ہیں ـــــــ وہ جو کسی نہ کسی مذہبی
اصطلاح کی تحت آسکے!! خیر، اُن کی "لاحول" اور "نعوذباللہ"
سے تو میں کسی نہ کسی طرح اپنا بچاؤ کر لیتی ہوں، مگر یہ تمھاری عشق بازی
میں مجھے خدا کے نام کی آمیزش نہیں بھاتی! دنیا کے کام دنیا ہی

کے لیے رہنے دو ـــــ آگے نہ جاؤ ـــــ مجھے تمھیں کسی کو خبر نہیں کہ آگے ہے کیا۔ ہمارے تمھارے مذہب کی حقیقت تو صرف اتنی ہے کہ جو ماں باپ کا مذہب وہ ہمارا مذہب! تم اور میں مذہب کو کیا جانیں؟ تم ماشاء اللہ تعلیم یافتہ ہو (چار پائیے بروکتابے چند!) میں غریب بھی کبھی ایک شریف خاندان کی لڑکی تھی، اتنا جانتی ہوں کہ "مامقیماں"، "خالق باری" اور "راہ نجات" پڑھی اور چند مذہبی کتابیں ختم کیں۔ اس کے بعد میرے ماں باپ نے (جن کی یاد کا چراغ آج بھی اس سیاہ قلب کے ایک گوشہ میں روشن ہے) بڑا حوصلہ کر کے مجھے عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم دی، درس کی ابتدائی کتابیں ختم کیں اور فارسی اردو کی سیکڑوں کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اگر کتابیں پڑھ لینے سے، یا نماز روزہ اور حج کے ارکان یاد کر لینے سے کوئی مسلمان بن سکتا ہے تو میں بھی مسلمان ہوں، مسلمانوں کے مذہب کے جو ٹھیکہ دار ہیں۔ وہ بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے!! اگر میں گناہ کی دنیا میں نہ ڈھکیل دی گئی ہوتی تو آج بھی بہت سے مفت کی روٹیاں، نکاح کے چھوارے اور ولیمہ کے چاول کھانے والوں سے زیادہ پڑھی لکھی سمجھی جاتی۔ مگر وہ سارا پڑھا لکھا اب میری عصمت فروشی کی دوکان کو چمکا رہا ہے۔ جس طرح بڑے بڑے عمامہ والے اپنے علم و فضل کو اکثر اپنے اغراض فاسدہ پر دلیل لاتے ہیں، اسی طرح میں بھی اپنی تعلیم کو اپنے پیشہ کی

کامیابی کا معاون بناتی ہوں۔ اگر میں عورت نہ پیدا ہوئی ہوتی، اور عصمت فروشی کے بازار میں نہ آگئی ہوتی، تو جہاں تک مکر اور فریب اور دھوکہ دہی کا تعلق ہے، میں بھی کوئی "مولانا"، "حضرت اقدس" یا "جناب محترم" ہوتی، کہیں مصلے پر کسی حجرہ میں بیٹھی ہوتی، کسی مسجد کے منبر پر کھڑی ہوتی، فتوے لکھتی، اعلانات شایع کرتی، تقریریں کرتی، اور میرا تعلق براہ راست عرش اعظم سے ہوتا!! بدنصیبی سے عورت بن کر مرد کے دھوکے میں آئی اور اس قابل بھی نہ رہی کہ "حضرت مولانا" میری طرف نظر اُٹھا کر بھی دیکھیں!! اس زندگی میں خدا کی کوئی نعمت میرے لیے نہیں ہے۔ میں اُس مولویانہ معمہ کی حدود سے، جس کو مذہب کہتے ہیں، بالکل خارج ہوں! پھر کیوں ان اُلجھنوں میں اپنا وقت ضایع کروں؟ اور ان اُلجھنوں کو سلجھانے والا ہی کون ہے؟ کہیں ہے؟ تم سلجھا سکے؟ جبہ و عمامہ نے سلجھایا؟ تسبیح و زنار سلجھا سکی، "حضرت" اور "پنڈت جی مہاراج" سلجھا سکے؟ بیٹا باپ کو نہ سمجھ سکا، بھائی بھائی کو نہ سمجھ سکا۔ بیٹی ماں کو نہ پہچان سکی۔ کوئی ایک انسان کسی دوسرے انسان کو نہ سمجھ سکا، باوجود تمام ادعائے عقل و فہم معمولی پیش پا افتادہ حقائق بھی سمجھ میں نہ آئے۔ آپ بڑے تعلیم یافتہ بڑے دانا، بڑے علم بردار تہذیب و تمدن ہیں آپ ایک ذرا سی ذلیل عورت کو نہ سمجھ سکے! —— پھر آگے کیوں جائیے۔ دریا کے پانی میں وہیں تک جائے جہاں تک زمین پاؤں کے نیچے رہے!

یہ سب لوگ جو مذہب مذہب پکارتے ہیں درحقیقت ایک قسم
کے بُت پرست ہیں۔ اُن کا بُت پتھر یا سونے یا چاندی کا نہیں ہے
تخیل اور توہم اُن کا دیوتا ہے، وہ جو ایک تصور اُن کے دماغوں میں
راسخ ہوجاتا ہے یا تو وہی ان کا مذہب ہوتا ہے، یا پھر دنیا داری کی
ضروریات اگر کوئی "دربانا" اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں تو وہ اُن کا
مذہب ہوتا ہے! عموماً تو ایسا ہوتا ہے کہ ذاتی اغراض کا ایک دیوتا
مسجد کی محراب اور مندر کے گنبد میں خدا بن کر بیٹھ جاتا ہے!! —
اور وہی اُن کے دماغ کے سومنات میں مقیم ہوتا ہے۔ اُسی کے یہ
سب غلام ہیں۔ کوئی پوچھے کہ مذہب کی جو تعلیمات ہمارے سامنے
پیش کی جاتی ہیں۔ اُن تعلیمات نے ہمارے احساس اور ادراک
کے کتنے پردے اُٹھائے۔ ہمارے علم میں کتنا اضافہ کیا! ہزاروں
لاکھوں قرن گذر گئے اور اُس سیاہ پردہ کا ایک کونہ بھی نہ اُٹھایا
جاسکا جو کائنات کے وجود پر پڑا ہوا ہے۔ اہل مذہب ایک طرف
لاچار ہیں اور اہل علم وسائنس دوسری طرف درماندہ ہیں، طوطے
کی طرح چند خود ساختہ اُصولوں کو رٹے جاتے ہیں! مذہب کا جو
دیوتا مختلف قوموں نے بنا رکھا ہے وہ بہت ہی خوفناک چیز ہے! میں
اُس سے بیزار ہوں۔ اس دیوتا کے پجاریوں نے دنیا میں جس قدر فساد
برپا کیا جس قدر خون بہایا، اُس کی حد و انتہا نہیں ہے، یہ جو زندگی کے
تمام اصول اور قاعدے بنائے جاتے ہیں یہ سب بادِ ہوا ہیں۔ آج ایک

کلیہ قائم ہوتا ہے، کل ٹوٹ جاتا ہے، دنیا کی اور ہماری زندگی کی بس ترکیب یہی ہے کہ بگاڑے جاؤ، بنائے جاؤ، بنائے جاؤ، بگاڑے جاؤ! ایک اُلجھے کو سُلجھانے کی کوشش کرو اور میں اُلجھے اور پیدا کردو۔ فلسفی کا فلسفہ حکیم کی حکمت، منطقی کی منطق، ولی کی ولایت، صوفی کا تصوف، یہ سب ٹوٹی ہوئی کشتیاں ہیں جو زندگی کے بحرنا پیداکنار پر کبھی ڈوبتی ہیں، کبھی اُچھلتی ہیں! ہم تم بھی لاکھوں کروڑوں ڈوبے ہوئے جہازوں کے دو ٹوٹے ہوئے تختے ہیں جو بہتے چلے جاتے ہیں!! یہ تو ہماری آپ کی کائنات ہے، پھر اس میں عشق ہے، عاشقی ہے، محبت کے دعوے ہیں، الفت کے تقاضے ہیں، ہجر کی شکایتیں ہیں، وصل کی خواہشیں ہیں، رقیب کے طعنے ہیں، معشوق کی بے پروائیاں ہیں، اور مجنوں کی لیلیٰ ہے اور لیلیٰ کے مجنوں ہیں —— اور اُن ہی میں سے ایک آپ ہیں!!

اٹھارہواں خط

جناب عاشق نامراد! کل جس وقت آپ کا نیاز نامہ آیا تو میں خواب ناز سے بیدار ہوکر دوکان داری کی تیاریاں کر رہی تھی۔ آئینہ میرے سامنے رکھا تھا عطردان منگا رہی تھی اور نئی ساری جو تمھارے

رقیب روسیاہ سیٹھ ـــــ نے کل ہی نذر کی تھی کھول رہی تھی تاکہ اُس کو پہن کر سیٹھ جی کی قدر افزائی فرمائی جائے ـــــ بقول اُن کے "جرّہ نواجی"! سوچ یہ رہی تھی کہ کوئی بیوقوف آجائے تو کرایہ کا موٹر منگا کر باغ عامہ کے دوچار چکّر لگاؤں۔ نئی ساری پہن کر اگر میڈم ہوا خوری نہ کی جائے تو نئی ساری کا اصلی مقصود ہی فوت ہوجاتا ہے! ہم لوگوں کا چراغ اگر تہِ داماں رکھا جائے تو پھر کاروبار کیونکر چلے! جس طرح تھیٹر اور سینما کے اشتہار کرایہ کی گاڑیوں پر تقسیم ہوتے ہیں، یا جس طرح پنجاب کے ایک مشہور "ڈاکٹر و حکیم و طبیب و وید" اپنی گاڑی پر اپنا نام و پتہ بخطِ جلی لکھوا کر بڑے بڑے شہروں میں گھوما کرتے تھے، اسی طرح ہمارے حُسن کے سائن بورڈ کے لیے بھی آج کل موٹر اور باغ عامہ کی اشد ضرورت ہے! ہر روز اگر ساری نہ بدلی جائے تو ایک ہی پرانے سائن بورڈ کو دیکھتے دیکھتے گاہکوں کے اکتا جانے کا اندیشہ ہے! ـــــ

میں تخیل کی اس دنیا میں منہمک تھی کہ آپ کا صحیفہ گرامی یہ مژدۂ جانفزا لایا کہ خدانخواستہ آپ خودکشی پر آمادہ ہیں! اور یہ کہ آج ہی شب میں یہ ارادہ درجۂ تکمیل کو پہنچے گا! آپ کی اس اضطراری تحریر کو پڑھ کر ہنس تو نہ سکی مگر رحم اور تحقیر کا مرکب ایک تبسم میرے لبوں پر پیدا ہوا جس کو دیر تک آئینہ میں دیکھتی رہی۔ میں نے اپنے تبسم کی بہت سی قسمیں مقرر کر لی ہیں ـــــ عاشق نامراد اگر روئے تو اُس کے

لیے ایسا تبسّم ہونا چاہیے، ہنسے تو میں اس طرح تبسّم کروں، اگر جان دینے کی دھمکی دے تو میرے ہونٹوں پر اس انداز سے تبسّم پیدا ہو، اور تخلیہ میں وہ زیادہ بے تکلف ہو جائے اور میں اُس کی ہمّت افزائی کرنا چاہوں تو اس طرح مسکراؤں، سوال وصل کا جواب اس قسم کے تبسّم سے دیا جائے، اور احوال درد فراق سُن کر میرے ہونٹوں پر تبسم اس طرح کھیلے، وغیرہ وغیرہ ہر موقعہ اور ہر ضرورت کے لیے میرے حُسن کے اسلحہ خانہ میں ایک مخصوص تبسّم مقرر ہے۔ جس طرح شکاریوں کے کارتوسوں کے نمبر مقرر ہوتے ہیں، مرغابی کے لیے یہ، اور بٹیر کے لیے یہ، اور ہرن کے لیے یہ، اور شیر کے لیے یہ! آپ کے اس دلچسپ ارادہ کی خبر پاکر جو تبسّم میرے لبوں پر نمودار ہوا اُس کی نوعیت بالکل وہی تھی جو پاگل خانہ کے مہتمم کے تبسّم کی ہوتی ہے جو اپنے زیرنگرانی پاگلوں کی تمسخر انگیز حرکات کو دن میں ہزاروں دفعہ دیکھتا ہے!!

یہ خوف تو میرے دل میں نہیں کہ آپ واقعی اپنے اس ارادہ پر عمل فرمائیں گے۔ مگر افسوس اس کا ہے کہ میں آج کی شب آپ کے اس ارادہ میں آپ کی کوئی اعانت نہیں کر سکتی۔ نہ تیمارداری کے لیے آسکوں گی نہ میت پر! اس لیے کہ سیٹھ جی کی پیش کی ہوئی ساری پہن کر آج تو اُن ہی کا سر عجز زانوئے ناز پر رکھنا ہے!! مجھے آپ کے اس ارادہ نے ذرا بھی متعجب نہیں کیا۔ اس لیے کہ میں خوب جانتی ہوں کہ ہزار دفعہ اس دنیائے ناپائدار سے منتقل ہونے کا آپ ارادہ فرمائیں گے

اور ہزار دفعہ اُس ارادہ کو میرے وصل کی امید ملتوی کر دے گی!
ماہر امراض، ہر مرض کے تدریجی مدارج سے خوب واقف ہوتا ہے۔
واقف نہ ہو تو وہ ماہر امراض ہی نہیں —— وہ جانتا ہے کہ نزلہ
زکام اور دردسر کے بعد درد سینہ اور پھر نمونیا تک کتنے مدارج ہوتے
ہیں۔ جن سے مریض گذرتا ہے۔ اور موت آنے تک مریض کو کیا کیا
حالات پیش آتے ہیں۔ اسی طرح میں بھی یہ جانتی ہوں کہ ابتدائی
نظر بازی کے بعد میرے عشاق عالی مقام کو کتنی منزلیں طے کرنی ہوتی
ہیں تا آنکہ وہ خودکشی کی دھمکی تک پہنچتے ہیں! اور پھر یہ بخار چڑھ کر
اُترتا کیونکر ہے۔ آپ جس مرض کو ہیضہ سمجھ رہے ہیں —— مجھ سے
پوچھیے —— یہ صرف معدہ کی خرابی کی وجہ سے معمولی بدہضمی ہے۔ پھر
میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ مر جائیں گے یا مر سکتے ہیں! جب میری رائے
میں حقیقت مرض اس قدر خفیف ہے تو پھر مجھے تردد کیوں ہو؟ ——
اللہ نے تمھیں دولت دی عقل نہیں دی! اصل یہ ہے کہ خدا نے سب کو
برابر کا حصہ دیا ہے۔ لیکن اس کی نعمتوں کی اقسام جدا جدا ہیں۔ مثلاً
ایک امیر کبیر کو دولت دے کر عقل سے محروم رکھتا ہے، مگر ایک مفلس کو
دولت سے محروم کر کے عقل عطا فرماتا ہے۔ ہر کسی کو اُس نے اپنی بخشش
سے کسی نہ کسی طرح پورا کر دیا۔ عقل نہ دی تو ایمان دیا۔ ایمان اگر زیادہ
دیا تو عقل کم کر دی، عقل اگر زیادہ دی تو ایمان کم کر لیا، آنکھ میں زیادہ
روشنی دی تو بازو کمزور کر دیے بازو قوی دیے مگر آنکھیں کمزور کر دیں

—— اپنے عطیات کا وزن برابر رکھا! پلّہ ہر فرد کا برابر رہا! فرق صرف نوعیت کا ہے۔ تم دولت رکھتے ہو۔ عقل و ایمان نہیں رکھتے ہیں عصمت اور نسوانی عصبیت سے محروم ہوں مگر عقل و ایمان رکھتی ہوں! ہم دونوں کی قیمت ایک ہے۔ میری عقل کو حق حاصل ہے کہ تمھاری دولت کی خام کاریوں پر استہزا کرے۔ اور تمھاری دولت حق رکھتی ہے کہ میری عصمت فروشی اور رُسوائی پر خندہ زن ہو! اس میں مجھے اور تمھیں برا ماننے اور خفا ہونے کا کیا موقعہ ہے؟ اس فلسفہ کو سمجھ لو تو تمھاری بہت سی مشکلیں آسان ہو جائیں۔ پھر اس عشق و عاشقی میں جو میرے تمھارے درمیان ہنگامہ آرا ہے، خودکشی کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا، جو کچھ تمھارے حصّہ میں آیا ہے تم اُس پر قناعت کرو، جو کچھ قسام ازل نے مجھے دیا ہے، میں اُس پر صبر کروں!

تم کہا کرتے ہو کہ ایک عورت ہو کر میں کیسی کیسی باتیں بناتی ہوں! میں کہتی ہوں کہ عورت کو باتیں بنانا مرد نے سکھایا۔ تمھاری حماقتوں نے میری عقل کو تیز کیا اور تمھاری ہوس کی مکاریوں نے مجھے چالاک بنایا! ہرن نے اُس وقت تک جنگل میں بھاگنا اور کودنا نہ سیکھا جب تک کہ شیر نے اُس پر حملہ نہ کیا، جب مردوں کی حیوانیت نے عورتوں کی نسوانیت پر حملے کیے تو ان چڑیوں نے گھنی جھاڑیوں میں چھپ کر عقاب کو دھوکہ دینا سیکھا! تم رنگ بدل بدل کر ہم کو دھوکے دیتے ہو اور ہم رنگ بدل بدل کر تمھیں بیوقوف بناتے ہیں۔ یہ سودا دست بدست

ہے! چڑیاتے کیوں ہو؟ جیسی کھیتی بوتے ہو، ویسی ہی کاٹتے ہو! اور اس دارِ مکافات میں ہونا بھی یہی چاہیے!

اُنیسواں خط

بہت بہت شکریہ! تمھاری طرف سے نکاح کا پیام، اور میری طرف سے اس عزت افزائی کا شکریہ، دونوں باتیں تمسخر انگیز ہیں! تمھیں معلوم نہیں، میرا نکاح ہو چکا ہے!! عورت کا نکاح عمر میں ایک ہی دفعہ ہوتا ہے، یوں چاہے وہ ہزار دفعہ مردوں کے پہلو میں بے حجاب ہوتی رہے! نکاح کے متعلق مرد کا تخیل زیادہ تر جسمانی اور مادی ہوتا ہے۔ تم لوگ جب خطبہ نکاح سنتے ہو تو تصور کرتے ہو ایک لڑکی یا عورت کے خوبصورت جسم کا، اُس کی جوانی و رعنائی کا، اور پھر اُس آنیوالی رات کا جب اُس نا کتخدا لڑکی کے جسم کی تمام تر نزاکت و لطافت تمھارے نفس کے دسترخوان پر پیش کی جائے گی! مگر عورت کا وجود معنوی جب کسی مرد کا انتظار کرتا ہے تو وہ مرد اُس عورت کے لیے گویا خدا کا قائم مقام ہوتا ہے، اُس کا وجود عورت کی زندگی کی مبتدا اور منتہا ہوتا ہے۔ نہ اُس سے پہلے کچھ تھا، نہ اس کے بعد کچھ ہوگا ——— مرد جب پہلی شب میں عورت کے پاس آتا ہے تو

شاید اُس سے پہلے سیکڑوں عورتوں سے اپنے نفس کو آزمودہ کار بنا چکا ہوتا ہے۔ مگر عورت جب اُس شب کو اپنے شوہر کی آغوش میں آتی ہے تو ایک نئی دنیا میں آتی ہے۔ ایک نئی سرزمین پر قدم رکھتی ہے جس سرزمین کی اُس کو کچھ خبر نہیں ہوتی!! مرد جب عورت کو مستقلاً اپنے نفس کی خادمہ بنانا چاہتا ہے ــــ تو نکاح کر لیتا ہے ــــ مگر عورت جب سر جھکائے ہوئے اور آنکھیں بند کیے ہوئے اپنے سر کے اشارے سے کسی مرد کو اپنا شوہر قبول کرتی ہے تو اُس بدنصیب کو خبر نہیں ہوتی کہ مرد کیا چیز ہے، کیا جنس ہے، کیا قیامت ہے، کیا بلا ہے! اگر وہ اپنے ہونے والے شوہر سے محبت بھی کرتی ہو تب بھی اس کو خبر نہیں ہوتی کہ بکری کی کھال کے نیچے جو بھیڑیا چھپا ہوا ہے اُس کے دانت کس قدر تیز ہیں! عورت صرف اُس محبت کو جانتی ہے جس کا تعلق جسم اور حیوانیت سے بہت کم ہوتا ہے۔ وہ مرد کو صرف اتنا ہی جانتی ہے کہ اُس کے اندر جو حیوان چھپا ہوا ہے اُس کو نہیں جانتی! اور عرصہ تک نہیں جان سکتی ــــ جب تک کہ زندگی کے تلخ تجربے مرد کی حقیقت کو اُس کے سامنے بے نقاب نہ کر دیں۔ سوسائٹی اور مذہب نے جس کے ٹھیکہ دار صرف مرد ہیں، عورت کو اس قدر گھیر لیا ہے اور بے دست و پا کر دیا ہے کہ نکاح عورت کی آخری شکست اور مرد کی فیصلہ کن فتح بن جاتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسُول کے نام پر عورت مرد کی ملکیت بنا دی جاتی ہے۔

تمہاری دولت مجھ پر برستے برستے ٹھگ گئی مگر تم کو مجھ پر وہ قبضہ مالکانہ حاصل نہ ہو سکا جو تم سمجھتے تھے کہ دولت کے زور پر تم کو حاصل ہو سکیگا۔ اس لیے اب اللہ اور رسول کا نام درمیان میں لا کر تم مجھ سے خط غلامی لکھوانا چاہتے ہو کہ میں تمہارے خلوت خانہ کے طاق پر سجا دی جاؤں! ——— کم از کم اُس وقت تک کے لیے جب تک تم کو میری ضرورت ہو، یعنی تمہارے عیش اور تمہاری عیاشی میں کام آسکوں! تمہارے پیام نکاح کی یہ مختصر تشریح ہے! ——— لومڑی کی طرح مکار، بلی کی طرح عیار، بھیڑیے کی طرح خونخوار ——— مرد! نکاح کا پیام دیتا ہے! ازدواج شرعی کی دعوت دیتا اور لکھوانا ہے خط غلامی!!

یوں تو تمہارا بھائی، کوئی نہ کوئی ہر شب مجھ سے ایک قسم کا نکاح کرتا ہے۔ مگر جب میرے ہر شب ہونے والے نکاحوں کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا ——— جب میں انسان تھی ——— آج سے سالہا سال پہلے ——— میں تو جب ہی منکوحہ محبت ہو چکی تھی۔ وہ نکاح جس کو کسی "مولنا صاحب یا "قاضی صاحب" نے نہ پڑھایا تھا، بغیر کسی ثالث کی امداد کے پڑھا جا چکا تھا، خطبہ نہ تھا، چھوارے نہ تھے، وکیل و گواہ نہ تھے، براتی نہ تھے، مہر کا سوال نہ تھا، جہیز کی بحث نہ تھی ——— کچھ بھی نہ تھا، محبت کی ایک نگاہ تھی!! وہی میرا نکاح تھا!! ایجاب و قبول تھا اور اس عہد نامہ پر وہی ایک مُہر تھی! ——— سودا اس طرح

ہوا تھا کہ میری طرف سے بہت پاک اور سچی محبّت اور اُس کی طرف ـــــــ اس بہانہ باز، بد عہد، بے وفا، نفس پرور کی طرف سے ـــ بہت آلودہ، جھوٹی اور کھوٹی محبت!! کبھی پہلے تم سے کہہ چکی ہوں کہ میرا پہلا مرد وہی تھا اور وہی میری پہلی اور آخری محبت تھی۔ وہ مجھے چند ہی روز بعد اپنے دل سے نکال کر بازار میں پھینک گیا، مگر میں بدنصیب جو ہر شب کسی نہ کسی شب پرست کے بستر کی آرائش ہوتی ہوں! ابھی تک اپنے کو منکوحہ سمجھے بیٹھی ہوں!

تم جانتے ہو؟ اُس عورت کا کیا حال ہوتا ہے جو محبت کرتی ہے؟ پناہ بخدا! وہ نہیں جانتی کہ کیا بن جائے گی، کیا ہو جائے گی۔ وہ اپنی محبت سے حیران اور بے بس ہو کر مرد کی طرف تکتی ہے اور اُس کے اشارہ کا انتظار کرتی ہے۔ جو کچھ مرد اُس کو بنانا چاہتا ہے وہ بن جاتی ہے۔ وہ اپنے تخیل میں مرد کی عجیب عجیب تصویریں بناتی ہے، ان تصویروں کی پوجا کرتی ہے ـــــ پھر جب اُس کے پیہم آنسو اُن تصویروں کے رنگ و روغن کو دھو ڈالتے ہیں تب وہ مرد کی حقیقت کو عریاں دیکھتی ہے اور حیران و بدحواس و ششدر رہ جاتی ہے! "یہی مرد ہے جس پہ میں مرتی تھی!"

اس پہلی محبّت کی گرم جوشی میں میری رفتار بہت تیز تھی، بہت کم عرصہ میں میں نے بہت زیادہ فاصلہ طے کر لیا! دوشیزگی کے خلوت خانہ سے نکل کر بازار میں آگئی، اور اب شاہراہ عام پہ اس طرح برہنہ کھڑی

ہوں کہ میری تجارت کا اشتہار میرے گلے میں آویزاں ہے، میری پیشانی پر کندہ ہے! دنیا استہزا کرتی ہے، مُنہ چڑاتی ہے، میرے مُنہ پر تھوکتی ہے، طرح طرح سے میری تحقیر کرتی ہے اور پھر مجھ ہی کو خریدتی ہے! دن بھر مجھ گناہگار، سیاہ کار، زانیہ کو سنگسار کرتی ہے اور رات کو میرے قدموں پر سر رکھ دیتی ہے!!

میرا وہ پہلی شب کا بہکانیوالا، اب عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر مخلوق خدا کے درمیان حق وناحق کا فیصلہ کرتا ہے، عدل کرتا ہے، انصاف کی ترازو کے دونوں پلّے برابر رکھتا ہے، سزائیں دیتا ہے، تعدد ازدواج کا حامی ہے، عورتوں کو شوہروں کی اطاعت کی تلقین کرتا ہے، مردوں کو عورتوں کے متعلق اُن کے حقوق مالکانہ کی تعلیم دیتا ہے، مہر ونفقہ وطلاق کے مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے۔ "شریعت حقہ" کا حامل ہے ــــــ اُس کی عدل گستری کی دھوم ہے!! میں اُس کے شہر میں جاکر سرراہ ایک بالاخانہ پر بیٹھنا چاہتی ہوں، تاکہ جب وہ عدل وانصاف کا پُتلا بازار میں گذرے تو میں اُس سے پکار کر کہوں کہ او جانیوالے! او سراپا عدل وانصاف! ذرا سر اُٹھا کر ادھر دیکھ! ایک بیسوا بھی انصاف چاہتی ہے!! ذرا آنکھیں ملا کر اس کا سلام قبول کر! اور اُس محبت کو جو تونے کبھی اس بیسوا کے دل میں پیدا کی تھی، روندتا ہوا، ٹھکراتا ہوا، گذر جا! اگر تیرا انصاف یہی چاہے تو اس بیسوا پر حد شرعی جاری کردے! یہ بیسوا جب عورت نہ بنی تھی اور محض ناکردہ گناہ

لڑکی تھی تو، اے انصاف کے دیوتا، تو اُس کی اُٹھتی جوانی سے کھیلا کرتا تھا ـــــ کچھ یاد ہے؟ آج تو اُس کو عصمت فروش کہتا ہے؟ تیری "تعزیرات" میں جسم کا فروخت کرنا اس قدر بڑا جُرم ہے؟ جو زندگی کے ہر صیغہ میں، تجارت میں، سیاست میں، علم کی مسند پر بیٹھ کر، عدالت کی کُرسی پر، اپنا دماغ بیچتا ہے، اخلاق بیچتا ہے، ایمان بیچتا ہے تو یہ کچھ بھی گناہ نہیں؟ عدالت کی میزان میں دوسروں کے گناہوں کو تولنے والے، عقل و دماغ کا مٹھی بھر آٹے کے لیے بازار میں فروخت کرنا اور اُس کے معاوضہ میں، تنخواہیں، مشاہرے، وظیفے اور منافع حاصل کرنا ذرا بھی عیب نہیں؟ مگر عیب ہے اور گناہ ہے اور پاپ ہے تو چند روز میں خاک میں مل جانے والے جسم کو نیلام کرنا! تو اپنی رُوح چند پیسوں کے لیے شیطان کے ہاتھ فروخت کر دے تو وہ واقعہ قابل ذکر بھی نہیں، لیکن میں اپنے جسم کے دام وصول کروں تو میں پاپی؟ میں ذلیل عصمت فروش ہوں اس لیے کہ بازار میں دوکان لگائے بیٹھی ہوں، اور تو بڑا مہاتما اس لیے کہ اپنے دماغ، اخلاق، ایمان اور روح کو فروخت کرتا ہے!! عجب حال ہے اس دنیا کا! کیسے کے اندر جس قدر زر و جواہر ہے اسکوسڑکوں پر لٹاتے پھرو، کوئی نہیں پوچھتا کہ تمھارے مُنہ میں کتنے دانت ہیں لیکن چند پیسے کا خالی کیسہ فروخت کیا جائے تو وہ شدید اخلاقی جرم ہے!! لفافہ کے اندر جو دستاویزیں محفوظ ہیں اُن کو بیچا ہو تو پنساری کی دوکان پر بیچ ڈالو مگر لفافہ پھٹا پرانا بھی ہو تو اس کا فروخت کرنے والا گردن زدنی ہے! ظاہر پرستوں کی

عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے ہیں! انار کے دانے نکال کر تم ہر ایسے گدھے کے سامنے ڈال دو گے جس کی جیب کا پیسہ تمھاری جیب میں آسکے، لیکن انار کا سوکھا ہوا چھلکا اگر فروخت کیا جائے تو تم فروخت کرنے والے کو پھانسی دیدو گے!! عصمت فروش تم ہو یا ہم ہیں؟ تم اپنے بہترین قوائے عقلی و دماغی و رُوحانی کی تجارت کرتے ہو، تمھارے دیوان خانے تمھارے بالاخانے ہیں، تمھارے دفتر تمھارے کٹم خانے ہیں، کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں، علمی اداروں میں، سرکاری ملازمت میں، اخباروں کے کالموں میں، صنعت و حرفت کے کارخانوں میں، ہر جگہ تمھارا علم وفضل بازار کے بھاؤ فروخت کیا جا رہا ہے، ہماری طرح تم بھی اپنے خصائل پر ملمع کر کے اُن کا بھاؤ بڑھاتے ہو، جس طرح ہم اپنے رخساروں پر پاؤڈر لگا کر اپنی قیمت بڑھاتے ہیں! پھر ہم میں اور تم میں فرق کیا ہے؟ ہم جسمانی حیثیت سے عصمت فروش ہیں اور تم معنوی حیثیت سے! ——— جب انصاف کا وہ دیوتا، وہ میرا پہلا مرد، میرے بالا خانہ کے نیچے سے گذرے تو میں اُس سے کیا کیا نہ کہوں ——— اس قدر چلاّ چلاّ کر کہ سارا بازار سُنے!!

——— ایسی ایسی باتیں سوچا کرتی ہوں، پھر جو کوئی چاہنے والے آجاتے ہیں تو اُن سے کھیلنے لگتی ہوں! سچ بتاؤ تم نے جو نکاح کا پیام مجھے بھیجا ہے وہ کس جذبہ کے ماتحت ہے۔ شاید

ـــــــ شاید تم کچھ محبّت مجھے دے سکو، مگر کیا وہ عزّت و احترام جو بیوی کا ہونا چاہیے، وہ منصب جو بیوی کے لیے مخصوص ہے، وہ بھی تم مجھے دے سکوگے ؟ دنیا تم کو اجازت دے گی کہ تم مجھے بیوی بناکر بیوی کی طرح میری عزّت کرسکو؟ اُس کلنک کے ٹیکے کو کیسے چھپاؤگے جو میری پیشانی پر ہے؟ کوئی مرد یہ کہے کہ اے عورت میں تیرے لیے دنیا کو چھوڑ دوں گا تو میں اس بات کو نہیں مانتی۔ کوئی لاکھ دنیا کو چھوڑ دے مگر دنیا کسی کو کب چھوڑتی ہے؟ یہ ڈائن تو ہر شخص کے دامن سے لپٹی ہوئی ہے۔ میں اگر بیوی بن کر تمھارے گھر میں آؤنگی تو بجائے اس کے کہ تم مجھے گندگی سے نکال کر پاک اور ستھرا کر دو۔ میری گندگی تم کو بھی لپٹ جائے گی اور سڑک پر چلنے والے تمھاری دیواروں کے سایہ سے بچ کر گذرا کریں گے! وہ کہیں گے اس مکان میں ایک نجس عورت رہتی ہے، ایسا نہ ہو کہ اُس کا سایہ ہم کو نجس کر دے! بڑے بڑے غیرت مند اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے کہیں گے۔ "اُس گھر کی عورت ملنے کے قابل نہیں، اُس کی طرف نہ جائیو"۔ میں ایک کوڑھی اور جذامی کی طرح تمھارے گھر میں تمام دنیا سے الگ محبوس رہوں گی۔ تم کب تک اس پریشانی خاطر کو برداشت کرسکوگے۔ عیاشی کے سلسلہ میں تم میرے گھر آؤ یا میں تمھارے گھر جاؤں تو ایک خوفِ خدا رکھنے والی دنیا کو تم پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ سب کہیں گے "ارے بھائی، ابھی وہ نوجوان ہے،

خدا نے دولت دی ہے، عیاشی کرتا ہے، کر لینے دو، سب ہی کیا کرتے ہیں!" مگر جب میں تمھارے گھر میں بیوی بن کر بیٹھوں گی تو وہی تمھاری عیاشی پر جواز کا فتوےٰ دینے والے ناک بھوں سکوڑ کر کہیں گے۔ "لاحول ولا قوۃ، یہ لڑکا کیسا نالائق و ناہنجار نکلا، خاندان کا نام ڈبو دیا، توبہ توبہ" پھر کس کس سے تم بحث کروگے، کس کس کو تم سمجھاؤ گے کہ تم نے زندگی کی ایک ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بھنور سے نکالا ہے، تم نے ایک ناسور پر مرہم رکھا ہے۔ تم نے بدی کے خلاف نیکی کا جہاد کیا ہے، ساری دنیا تم کو دھتکاریگی، تم ہر طرف سے ٹھکرائے جاؤگے اور میرا کوڑھ تم کو بھی لگ جائیگا!

جوش عشق میں دنیا والوں کو بھول نہ جاؤ۔ خدا تو اپنے بندوں کو ایک ہی دفعہ مارتا ہے، مگر دنیا والے اپنے مجرموں کو دن میں ہزار ہزار طریقوں سے قتل کرتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی پیچھا کیے جاتے ہیں!! تم میرے عشق سے پیچھا چھوڑا سکتے ہو، مگر ان دیوتاؤں سے بچ کر نہیں جا سکتے! وہ فنکاری کتوں کے ایک غول کی طرح تمھارے دامن سے لپٹے رہیں گے! قوم کے "معززین" کہیں گے "اس کا چال چلن خراب ہے" "مولانا" فرمائیں گے "وہ فاسق و فاجر ہے" "شیخ صاحب" تمھارا نام سن کر لاحول پڑھیں گے، "میر صاحب" زبان سے کچھ نہ کہیں مگر ٹیڑھی آنکھوں سے تمھاری طرف دیکھیں گے ——

پھر کیا کروگے؟ میرے دوست! زنا بہت بڑا اخلاقی گناہ ہے، مگر

صرف عورت کے لیے، مرد زانی ہو تو بھی معصوم ہے! عورت زانیہ نہ بھی ہو مگر غیر مردوں کے ساتھ کچھ ارتباط رکھتی ہو تو وہ گردن زنی ــــــ یہ مرد کا قانون ہے!! ہر زانی اور بدکار شرفا کے گھروں میں شریف بہو بیٹیوں سے بلا تکلف ارتباط رکھ سکتا ہے لیکن ایک گناہگار عورت تائب ہونے کے بعد بھی شریفوں کے دروازہ پر نہیں جا سکتی ــــــ یہ مردوں کا قانون ہے!! ہمارے دامن کا کوئی دھبہ دھویا نہیں جا سکتا، مگر اُن کے دامن کے لاکھوں دھبے ایک ہی شوب میں صاف ہو جاتے ہیں! ــــــ زنا اور شراب اور اس سے بھی بدتر خصائل مرد کے لیے عیب نہیں، صرف عورت ہی کو پھانسی اور سولی کے قابل بناتے ہیں ــــــ یہ قانون مرد کا ہے! "سوسائٹی" ہر بدمعاش مرد کی چادر کے دھبوں کو بہ آسانی نظر انداز کر سکتی ہے، مگر عورت کی چادر کی ہر شکن اُس کو گناہ اور مکر سے آلودہ نظر آتی ہے، بڑی سے بڑی داڑھی لگا کر، بڑے سے بڑا عمامہ باندھ کر، لمبے سے لمبا چغہ پہن کر، تم اپنے حجرہ میں گناہ کرو، لوگ کہیں گے عبادت کر رہے ہو، وہ تمھارے ہاتھ چومیں گے، مگر ہر وہ عورت جو تمھارے بنائے ہوئے قانون کے خلاف ورزی کریگی تمھاری نظر میں فاحشہ ہو گی! مرد کی اس شریعت محکم کی گرفت سے نکل کر ہم تم کہاں جا سکتے ہیں؟ بہتر یہی ہے کہ اس فسق و فجور ہی پر قناعت کرو! ہر شب مجھ سے بیاہ کر لیا کرو، اور ہر صبح مجھے طلاق دے کر گھر چلے جایا کرو ــــــ

بیسواں خط

پرسوں والا نکاح کا پیام ابھی بھولی نہیں ہوں ۔ میں جانتی ہوں تم مردوں کی ــــــ جو اس قدر انسان نہیں ہوتے جس قدر حیوان ہوتے ہیں ــــــ محبت کیا ہوتی ہے ۔ نکاح سے پہلے تم لوگوں کو ہم سے وہ محبت ہوتی ہے جو مکڑی کو مکھی سے ۔ " آ ۔ میری جان ! میرے غریب خانہ میں قدم رنجہ فرما ! آ ۔ اے مہمان عزیز! میں تیرے لیے بیچین ہوں ! " مکڑی کہتی ہے ۔ اُس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے معلوم ہے ! یہ تو نکاح سے پہلے کی باتیں ہیں ۔ پھر نکاح کے بعد مرد کو عورت سے جو محبت ہوتی ہے وہ ایسی ہوتی ہے جیسے مالک کی محبت اپنے پنجرے میں پلے ہوئے طوطے اور مینا کے ساتھ ! گھر کی بلّی کے ساتھ ، گھر کے کتّے کے ساتھ ! مالک اگر خوش ہے تو طوطے کے پنجرے میں مزیدار پھل رکھے ہوئے ہیں ، بلّی کے سامنے دودھ کا بھرا پیالہ رکھا ہے ، کتّے کو دسترخوان کے بہترین لقمے مل رہے ہیں ۔ پھر جو " سرکار " کو غصّہ آیا ، مزاج بگڑا تو طوطے کا پنجرا ٹھکرایا جا رہا ہے ، بلّی مار کھا رہی ہے ، کتّے کی کمر پر

چابک پڑ رہے ہیں! ہم عورتیں تمہارے گھروں میں ترم کھال والی پلاؤ بلیاں ہیں جو گھر کی دیواروں کے اندر خرخر کرتی پھرتی ہیں، جب دیکھا کہ مالک خوش ہے تو اُس کی گود میں چڑھ گئیں، لیکن اگر مالک کی نظر بدلی، مزاج برہم ہوا تو ہم گود اور بستر سے نکال کر پھینک دی جاتی ہیں، چھپتی پھرتی ہیں، ہماری مجال نہیں کہ سامنے آئیں!! کہیں باورچی خانہ کے کسی کونے میں، کہیں کسی اندھیری کوٹھری میں، چھپی ہوئی پڑی ہیں۔ ہر وقت دھتکار دیے جانے کا اندیشہ ہمارے دلوں کو لپٹا ہوتا ہے!! دراصل گھر کی چہار دیواری میں بیویاں اونچے درجہ کی کنیزیں ہوتی ہیں۔ "سرکار" اُن کو اپنے دسترخوان پر بٹھا لیتے ہیں، اپنے بستر میں سُلا لیتے ہیں، اچھے اچھے لباس اور زیور عطا فرماتے ہیں تو یہ سب "سرکار" کا کرم ہے، بیویوں کا کام یہ ہے کہ عاجزانہ شکریہ کے ساتھ ان نوازشوں کو قبول کریں اور ہمیشہ دست بدعا رہیں اس لیے کہ "سرکار" ہی کے دم سے اُن کا سہاگ قائم ہے!!!

تم شاید ابھی نہیں جانتے مگر شادی کرلو تو اس راہ و رسمِ آقائی کو سیکھ جاؤ گے اور تم خود ہی دیکھ لو گے کہ مرد کے گھر میں عورت کی یہ حقیقت ہے! ہم سونے چاندی کے خوبصورت گلدان ہیں جو تمہارے دسترخوان کی آرائش کے لیے رکھے جاتے ہیں گھر کے طاقوں میں سجائے جاتے ہیں، ہم مزیدار چٹنیاں ہیں جو تمہارے نفس کی اشتہائے کاذب کو تسکین دینے کے لیے دسترخوان پر رکھی جاتی ہیں! تم اپنے گھر اور

بستر کو سجانے کے لیے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر خوبصورت عورتیں لاتے ہو، تم اُن کو خوبصورت لباس اور زیور پہناتے ہو تاکہ اپنے گھر میں اپنے لیئے ایک جنّت نگاہ تیار رکھو، تم ہمارے جسم میں عطر کی مہک چاہتے ہو تاکہ تمھارے بستروں میں وہ مہک سما جائے، تم ہماری آرائش وزینت سے اپنے نفس کو متحرک رکھنا چاہتے ہو، تم یہ سب کچھ جو ہمیں دیتے ہو اپنی اور اپنے نفس کی خاطر ہمیں دیتے ہو۔ اس لیئے نہیں کہ ہم اُس کے مستحق ہیں بلکہ صرف اس لیئے ہم بہتر سے بہتر طریقہ سے تمھارے لالچی نفس کو تسکین پہنچا سکیں! پھر بھی تمھارا احسان ہماری ہی گردنوں پر رہتا ہے!!

مرد جب اپنے بستر کے لیے عورتیں تلاشش کرتا ہے تو اُس کو سب سے زیادہ یہ فکر ہوتی ہے کہ عورت حسین ہو، چاہے وہ خود کتنا ہی بد صورت ہو ــــــ عورت اُس کے لیے اُس جیسی انسان نہیں ہوتی بلکہ خریدنے یا حاصل کرنے کی محض ایک "چیز" ہوتی ہے ــــــ "تماشبین" جب کسی عورت کے پسندیدہ حسن کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں "چیز اچھی ہے" یا "مال اچھا ہے"! ــــــ اس "چیز" کا گاہک دیکھے بھالے بغیر یہ "مال" خریدنا پسند نہیں کرتا، وہ نکاح سے پہلے ہی لڑکی کی صورت دیکھ کر مطمئن ہو جانا چاہتا ہے، مگر کبھی اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ عورتیں بھی شادی سے پہلے مرد کی صورت دیکھ لینا چاہیں! کیا بھیڑ بکریاں ہم ہی ہیں کہ

تم ذبح کرنے کے لیے خریدنے سے پہلے ہماری کھال کو دیکھتے ہو کہ ڈھلی ہوئی تو نہیں، ہماری عمر معلوم کرتے ہو کہ بوڑھی تو نہیں، ہمارے ہاتھ پاؤں دیکھتے ہو کہ دبلی تو نہیں، مہروں پر جھگڑتے ہو، قیمتی جہیز مانگتے ہو اور اس طرح اپنے من کا سودا خریدنا چاہتے ہو ـــــــــــ

ایک دن میں بمبئی کے ایک کُٹم خانہ کی سیر کرنے گئی۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ضرورتمند مرد آتے ہیں اور تقریباً برہنہ عورتیں، دس دس، بیس بیس ـــــ اُن کے سامنے لاکر پیش کی جاتی ہیں۔ وہ اُن کو بیحیائی اور بے شرمی کی آنکھوں سے گھور گھور کر دیکھتے ہیں، معائنہ کرتے ہیں، جانچتے ہیں، انتخاب کرتے ہیں، اُن کے دام چکاتے ہیں ــــــــ

قربانی کی ان بکریوں پر اس طرح تبصرہ ہوتا ہے :-

"آنکھیں تو اچھی ہیں مگر چہرہ دُبلا ہے۔"

"رنگ و روغن تو بُرا نہیں مگر جسم بھدا ہے۔"

"یوں تو بری نہیں، مگر آنکھیں ذرا چھوٹی ہیں!"

"ہونٹ ذرا موٹے ہیں اور ناک چھوٹی ہے۔"

"دانت بد نما ہیں، کمر موٹی ہے" ـــــــــ

میں تم سے پوچھتی ہوں، کیا وجہ ہے کہ ایک دن وہ نہ آئے کہ ہم بھی مردوں کو اسی طرح اپنے سامنے حاضر کرکے نہ جانچیں اور پرکھیں! کُٹم خانوں میں عورتوں کے بجائے مرد رکھے جائیں اور عورتیں جاکر اُن کا بھاؤ طے کیا کریں! وہ سب ہمارے سامنے صف باندھ کر

لائے جائیں۔ اور ہم بھی مردوں کی طرح سنگدل اور بیحیا ہوکر ان پر

تبصرہ کیا کریں :-

"یہ کالا ہے"

"یہ بھدّا ہے"

"یہ کانا ہے"

"اس کی آنکھ ٹیڑھی ہے، کان بڑے بڑے ہیں"

"اس کی ڈاڑھی میں اُلجھے ہیں"

"یہ گنجا ہے"

"اس کا سانس متعفن ہے، اس کے دانت میلے ہیں"

پھر تم سے، ہماری عصمت کے مکّار ٹھیکہ دارو، ایسا خوفناک انتقام لیا جائے کہ آسمان کے فرشتے تمھارا حال دیکھ کر کانپنے لگیں۔ صدیاں اس طرح گذر جائیں اور تم غلامی کی زنجیروں میں اُسی طرح جکڑے ہوئے عورتوں کے سامنے جھکائے جاؤ جس طرح آج تم بیدست و پا عورتوں کو جھکاتے، کچلتے اور پیستے ہو! آج ہم تمھارے وہ غلام ہیں جو ریگستانوں میں پتھر ڈھوتے ہیں، تاکہ تمھارا فتح مینار تعمیر ہو سکے، ہمارے شانوں پر تمھارے چابک پڑتے ہیں، تاکہ ہم تمھارے گناہوں کا بوجھ اُٹھانے سے انکار نہ کر سکیں ——— انکار کا ایک سانس بھی نہ لے سکیں! ہم دریاؤں میں پھینکے جاتے ہیں تاکہ تم جیسے مگرمچھ اپنی غذا پائیں! دیوتاؤں کی قربان گاہ پر رکھے

جاتے ہیں تاکہ دیوتاؤں کا چہرہ ہمارے خون سے گلرنگ کیا جائے! پھر تمہاری فتح کے بعد جب ہم زخموں سے چور ہو کر میدانِ جنگ میں سسکتے ہوتے ہیں تو تمہارے صبا رفتار گھوڑے ہمیں روندتے ہوئے گذر جاتے ہیں! کیا وہ دن کبھی نہ آئے گا کہ عورتیں تمہاری ہوس بھری آنکھوں میں سلائی پھیر کر تم کو اندھا کر دیں تاکہ تمہاری بے شرم آنکھ اُن کے حسن کو دیکھ ہی نہ سکے؟ تمہارے کانوں میں گرم تیل ڈال کر تم کو بہرہ کر دیں تاکہ وہ پھر کبھی عورت کی موسیقی سے آشنا نہ ہوں؟ تمہارے جسموں کو آگ اور دھوپ میں اس طرح خشک کر دیں کہ تمہاری ہڈیوں میں بھی نم باقی نہ رہے!!!

اکیسواں خط

کل نکاح کے پیام کا جواب دیتے دیتے غصہ آ گیا۔ آنا نہ چاہیے تھا ـــــ تم بیوقوفوں پر غصہ کرنا فضول ہے۔ تم لوگوں کی بساط تو صرف اتنی ہی ہے کہ تمھیں محض استہزا اور تحقیر سے مارا جائے۔ تم جیسے لوگ اس قدر اخلاقی بلندی نہیں رکھتے کہ تمہاری باتوں پر غصہ اور رنج کا اظہار کر کے میں اپنے اعصاب کو تکلیف دوں!! کل میں نے تم کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ہم جیسے بدنصیبوں کے لیے

تم لوگوں کی سوسائٹی میں تجارت کے تمام دروازے بند ہیں۔ اگر تم مجھ جیسی عورت کو بیوی بنا بھی لو تب بھی لوگ تمھارے نکاح کو عیاشی سے کم نہ سمجھیں گے۔ اس کے بعد اگر اولاد ہوئی تو اُس کا کیا حشر ہوگا؟ اولاد کے متعلق مرد کی ذہنیت بہت تمسخر انگیز ہے۔ اس سے تو اس کو بحث نہیں کہ اولاد پیدا کرنے کا فطری جذبہ کیا ہے اور اس تخلیق کا اصل اُصول کیا اہمیت رکھتا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ فطرت کا یہی سب سے بڑا فرضہ اس کے ذمہ ہے کہ وہ تندرست اور توانا اور نیک خصلت اولاد پیدا کر کے نسل انسانی کو قائم رکھے عموماً اولاد کا پیدا ہونا مرد کی زندگی میں ایک حادثہ ہوتا ہے۔ وہ اولاد بھی اس کی عیاشی اور نفس پروری کا ایک کمزور اور مکروہ نتیجہ ہوتی ہے! اولاد ہونے کے بعد مرد کے اندر اُس کی خودبینی کچھ زیادہ ہو جاتی ہے۔ وہ اولاد کو اپنی قوت مردانہ کا ناقابل انکار ثبوت سمجھ کر دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے جس طرح دہقان اپنی محنت اور جفاکشی اور قوت تخلیق اپنے کھیت کی سرسبزی میں محسوس کرتا ہے کچھ اُسی طرح مرد بھی مزرعہ حیات میں اپنی قدرت تخلیق کے اس مظاہرے پر احمقانہ ناز کرتا ہے۔ جس طرح چرواہا اپنے گلہ کی تعداد بڑھنے سے خوش ہوتا ہے۔ مرد بھی بچوں کا باپ بن کر اپنی سلطنت میں اپنے محکوموں کی تعداد کا اضافہ پسند کرتا ہے! وہ جو ایک احساس قوت اور غرور مالکانہ مرد کے اندر ہے اُس کو اولاد کی پیدائش توانا کرتی ہے۔ باپ اپنے

بچّہ کو گود میں لے کر بیٹھتا ہے تو وہ یہ نہیں سوچتا کہ یہ بچّہ قانون قدرت کا اقتضا اور دو مختلف جنسوں کے اتصال کا قدرتی نتیجہ ہے، وہ اُس کو محض اپنی مردانہ قوت کی ایک دلیل محکم سمجھتا ہے! اور بس۔ گویا عورت غریب کو مرد کے اس کارنامے میں کوئی دخل نہیں، وہ محض بچّہ کی ماما اور کھلائی ہے اور منجملہ اور خدمتوں کے اپنے آقا کی یہ خدمت بھی بجالاتی ہے۔ کہ اُس کی اولاد کو پرورش کرے! اولاد پر جو کچھ احسان ہے باپ کا ہے، مگر بسا اوقات بدنصیب عورت یہ بھی جانتی ہے کہ آقاجان کی گود میں اُن کی شوہریت کا یہ ثمر عموماً حب مقوی اور ماءاللحم خاص بنانے والے دواسازوں کی کیمیاوی ترکیبوں کا نتیجہ ہے! وہ جانتی ہے کہ "سرکار" کی قوت تخلیق کس درجہ ہندوستانی دواخانوں کی رہین منت ہے! وہ یہ بھی جانتی ہے کہ جب فطرت کا حقیقی تقاضہ، جوانی کی بدکاریوں میں خارج از فطرت ضایع ہوچکا تھا، تب یہ پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا ہے! مجھے مردوں کی نفسیات سے اس قدر واسطہ پڑتا ہے کہ دن رات عجب عجب تمسخر انگیز اور عبرت آموز تماشے دیکھا کرتی ہوں۔ بارہا اپنے عشاق کامگار کی جیبوں سے میں نے مقویات اور مہبیات کی پڑیاں چرائی ہیں۔ مجھ سے چھپا چھپا کر جب وہ اپنے منہ میں گولیاں رکھا کرتے ہیں تو میں نظر بچا کر دیکھ تو سب کچھ لیتی ہوں مگر کبھی کبھی نہیں ضبط نہیں ہوتا تو منہ پھیر کر مسکرا لیتی ہوں جب یہ بازاری حسن پرست ہم لوگوں کے گھروں میں قدرت کی دی ہوئی قوتوں کو

ضایع کر چکتے ہیں تو پھر کسی شریف لڑکی کو اپنا شریک زندگی بنا کر اس کی جوانی سے کھیلتے ہیں! مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ اس جنس کی مردانگی جسے مرد کہتے ہیں ۹۰ فی صدی خارج از فطرت اور محض تصنع ہے۔ مرد اور عورت کا جو جذبہ فطری محض توالد و تناسل کے لیے پیدا کیا گیا تھا وہ جذبہ جدید تمدن اور اخلاق کی مصنوعات میں تقریباً فنا ہو گیا اور اس کے بجائے ایک مصنوعی خواہش کے جراثیم دماغوں میں پیدا ہو گئے جو غیر فطری ہوس پیدا کرتے ہیں۔ فطرت کا وہ تقاضائے صادق جو عورت اور مرد کے اتصال کی سب سے مضبوط کڑی ہے تمھاری ہوس کاریوں کی نذر ہو گیا۔ جوشِ جوانی کے تمام فطری تقاضوں کو اپنی عیاشی میں فنا کر کے اب جو تم نکاح کرنے چلے ہو تو سوائے اس کے کہ سائنس اور طب کے سہارے دو چار، لولے، لنگڑے، کانے، کھترے، روتے ہوئے، بسورتے ہوئے مریض اور ناتواں بچے پیدا کر لو اور کیا کر سکتے ہو۔ تم مردوں کی حقیقت حال تو یہ ہے! اور پھر تمھارا فریب اور غرور، شوہر اور باپ بننے کا مدعی ہے!!

تم کبھی دس منٹ کے لئے میرے عشق کی گرمجوشی سے فارغ ہو کر ذرا سوچو کہ میں اشارے ہی اشاروں میں، آہوں، آنسوؤں، زخموں اور ناسوروں کی اس دنیا کا حال جس میں عورت رہتی ہے کس کس طرح بیان کرتی ہوں، مگر تم مردوں کو اکثر پیش پا افتادہ

حقائق کا احساس نہیں ہوا کرتا ـــــــ ایسے اندھے ہو ـــــــ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تم لوگوں کے مصنوعی خواہشات نفسانی نے عورتوں کی زندگی کو کس طرح تباہ کر ڈالا ہے ؟ اور تمھاری آیندہ نسلوں کے مستقبل کو کس درجہ تاریک کردیا ہے ؟ عورتوں کی صحت کا بگاڑنے والا ۹۰ فی صدی تم لوگوں کی ہوس پرستی کا جذبۂ جابرانہ ہوتا ہے۔ خود مختار بادشاہ بن کر تم سمجھتے ہو کہ عورت کو تمھاری ہر غیر فطری خواہش کا غلام ہونا چاہیئے۔ تم چند لمحے نفسانی تعیش کے چاہتے ہو اور تمھارے خیال میں عورت کا فرض ہے کہ وہ جس حال میں بھی ہو ـــــــ بیمار ہو ـــــــ معذور ہو ـــــــ تمھارے نفس کے حکم کی تعمیل کرے! تمھارے جلد جلد پیدا کیئے جانے والے کمزور بچّوں کی پرورش کرتے کرتے اگر وہ مرنے لگے تو تمھیں اس کی بھی کچھ زیادہ پروا نہیں ہوتی۔ ہزار عورتیں ہیں جن کو تم بیاہ کر لا سکتے ہو، ہزار والدین موجود ہیں جو اپنی بیٹیوں کو شریعت کے نام کی آڑ میں تمھارے ہاتھ فروخت کر ڈالیں گے تمھارے نفس کا مشغلہ مسلسل جاری رہنا چاہیئے، جنگل کی ہرنیاں پیدا ہی اس لیئے ہوئی ہیں کہ ہر وقت شکاری کے نشانہ پر حاضر رہیں!!

مردوں کی تمام ازدواجی زندگی یک طرفہ ہوتی ہے۔ کتنی زندگیوں کے دریا تمھاری پیاس نے خشک کر دیے مگر تم نے صرف اپنی ہی پیاس کو یاد رکھا ـــــــ دریا کا پانی خشک ہوا جاتا ہے

اس کی کبھی پروانہ کی! جب ضرورت ہوئی اپنی نفس پرستی پر
اللہ اور اُس کے رسولؐ کو دلیل لائے، روتی بسورتی، بیمار،
اپاہج اولاد کی کثرت بھی تمہارے خیال میں گویا اللہ پر تمہارا
ایک احسان ہے کہتے ہو "امت محمدی کی تعداد کا بڑھانا ہر مسلمان
کا فرض ہے!" گویا نعوذ باللہ خدا تم سے یہ توقع رکھتا ہے کہ تم
کانے، لنگڑے، لولے جس قدر بچے پیدا کرسکو، کیے جاؤ مرنے دو
اگر تمہاری بیویاں بچے پیدا کرتے کرتے مرجائیں بچوں کے پیدا
کرنے میں کوئی ایسی رُکاوٹ گوارا نہ کرو جو تمہارے تعیش میں
حارج ہو!! اگر مجاہد پیدا نہیں کرسکتے، اگر آزاد شہری پیدا
نہیں کرسکتے، اگر تندرست و توانا بچے پیدا نہیں کرسکتے تو کچھ
پروا نہیں، چوہے کے بچے پیدا کرو! اندھے پیدا کرو! جذامی
پیدا کرو، غلام پیدا کرو، بھنگی اور چمار پیدا کرو! ــــــــ
پیدا کیے جاؤ!! تاکہ امت محمدی کی تعداد میں اضافہ ہو!! کبھی
تم نے ـــــــــ میرے ہونے والے شوہر ـــــــــ اس پر
بھی غور کیا کہ تمہاری جنس کے کتنے افراد اس زمانہ میں ایسے ہیں
جو اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کو اپنی بدمعاشیوں سے حاصل کیے
ہوئے متعدی امراض میں حصہ دار بناتے ہیں اور اپنے گناہوں
کی وراثت اس طرح اپنی آنے والی نسلوں کو بخش دیتے ہیں!!
یہ لوگ دیدہ و دانستہ شادیاں کرتے ہیں، اولاد پیدا کرتے ہیں

اور سمجھتے ہیں کہ یونہی ہوا کرتا ہے، یونہی ہونا چاہیئے! بیویاں مرا ہی کرتی ہیں، مرد امراض خبیثہ میں مبتلا ہوا ہی کرتے ہیں، پھر کیا شادی بیاہ کا سلسلہ بند کر دیا جائے؟ جب ازدواجی زندگی کی بوجھل گاڑی نہیں چل سکتی اور مرد کی ہوسناکی کے مظلوم شکار دم دیدیتے ہیں تو مرد کس قدر روتا اور چلاتا ہے :- "ہائے! میرا گھر تباہ ہو گیا!" "ہائے میں اکیلا رہ گیا" ـــــــ چند روز تو اس طرح چیختا اور چلاتا ہے کہ گویا عنقریب وہ بھی مرحومہ کی قبر میں اپنا گھر بنالے گا، لیکن دو ہی تین ماہ کے بعد عقد ثانی کی گفتگو شروع ہو جاتی ہے، کہتا ہے :- "کیا کروں، روٹی پانی کی تکلیف ہے دوسرے نکاح پر مجبور ہوں۔ نہ کروں تو کیا کروں، بچّے بے آرام ہو گئے ہیں، تنہائی میرے لیئے عذاب جان ہے" حالانکہ ان عذرات کے پردہ میں ہوس کا ایک شدید تقاضہ روپوش ہوتا ہے، جو ستر اسّی برس کے بوڑھوں کو بھی عقد ثانی پر بہ آسانی آمادہ کر دیتا ہے۔ مردوں کے لیئے تو "عقد ثانی" اس قدر ضروری ہے مگر "شرفا" کے گھروں میں بیوہ کی شادی کا سوال اب تک بہت معیوب ہے!! ـــــــ یہ سب پیش پا افتادہ حقائق ہیں، تم نے کبھی غور نہ کیا ہوگا، مگر میں تو خوب جان گئی ہوں ـــــــ مرد کی مکاریوں کو!!

بعض وقت میرا دل ایک بڑا کٹھرا ہوتا ہے جس کے اندر بیسوں غضبناک شیر غراتے ہوتے ہیں۔ ایک گہرا اور اندھا کنواں ہوتا ہے

جس میں سے خوفناک آوازیں آتی ہیں۔ میری اُس حالت کا تم احساس
نہیں کر سکتے۔ جب میں اپنے اور تمہارے درمیان روحانی محبت کا
تصوّر کرتی ہوں تو تم مجھے اتنی دور نظر آتے ہو جیسے آسمان پر ایک
ننھا سا ٹمٹماتا ہوا تارا۔ جب میں تمہارے ساتھ ازدواجی زندگی اور
اُس کی پابندیوں کا خیال کرتی ہوں تو تم مجھے ایسے نظر آتے ہو جیسے
ایک خونخوار بھیڑیا، جس کے جسم سے بدبو آ رہی ہو اور جس کے دانتوں
سے خون ٹپک رہا ہو! ——— اپنے بلّی کے بچے کو میں گود میں لیکر
سُلاتی ہوں، وہ گھنٹوں میری گود میں سوتا رہتا ہے، اور میں اس طرح
بیٹھی رہتی ہوں کہ میرے ہاتھ پاؤں شل ہو جاتے ہیں، صرف اس لیے
کہ حرکت کرنے سے بلّی کا بچّہ بے آرام نہ ہو جائے ———
کبھی کبھی تم اُس بلّی کے بچّہ کی طرح میرے تصوّر میں آتے ہو ———
شاید میں اگر تم سے نکاح کر لوں تو اتنی سی محبت تمہارے لیے میرے
دل میں پیدا ہو جائے ——— مگر ——— جب نفسانی خواہشات
کی شدت سے، تمہارا تمتماتا ہوا چہرہ، چمکتی ہوئی آنکھیں، بگڑی ہوئی
صورت یاد آتی ہے، جب تمہاری اُن خوفناک آنکھوں کا خیال
آتا ہے جس کے اندر میں شیطانی شعلے چمکتے ہوئے دیکھتی ہوں، اور
محبت کی روشنی نہیں پاتی؛ جب تم محبت کے ان تمام گفتگوؤں کو
بھول جاتے ہو اور اپنے ملعون نفس کے ہاتھوں سے میری انسانیت
کا گلا گھونٹنے پر تلے ہوتے ہو ——— جب تمہاری یہ کیفیت

مجھے یاد آتی ہے تو میری اُنگلیوں میں فولاد کی سختی اور پھانسی کے پھندے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور میرے اندر ایک شدید جذبہ سر اُٹھاتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ کسی دن اپنے تمام عاشقوں کے گلے گھونٹ گھونٹ کر اپنی خوابگاہ کو اُن کی لاشوں سے پاٹ دوں!!!

بائیسواں خط

نکاح کے مسئلہ پر میری "پریشاں خیالی" تمھیں ستا رہی ہے! آپ کی رائے میں میں "دماغی توازن" سے محروم ہوں۔ سچ کہتے ہو! آج فرصت نہیں، تمھارے کئی رقیب صبح سے میرے سر پر سوار ہیں۔ ایک دو دن بعد ذرا دیکھوں گی کہ تمھارے اندر کتنا "توازن" ہے! کہیں سے ایک اصطلاح سُن بھاگے ہو۔ خاک نہیں جانتے کہ توازن کہتے کسے ہیں، بک دیا جو مُنہ میں آیا! عشقیات کے مدرسہ میں سارا پڑھا لکھا بھلا بیٹھے! پہلے اپنے توازن کو تو دیکھو، میں بیچاری ناقص العقل مجھ پر تبصرہ فرمانے کی زحمت کیا ضرور ہے! میرے حسن کے مصنوعات پر آپ کا دم نکلتا ہے —— یہ آپ کا "توازن" ہے! مجھ سے عشق فرماتے ہیں —— یہ آپ کا "توازن" ہے! —— یہ آپ کا "توازن" ہے کہ میرے عشق میں دن بھر

روئیے، رات بھر جاگیے، پھر دن بھر روئیے، پھر رات بھر جاگئے اور پھر دن روئیے اور رات بھر جاگیے۔ روتے جائیے اور میرے نام عاشقانہ خطوط لکھتے جائیے! آنکھ لگے تو مجھے خواب میں دیکھتے رہیے، مجھ سے ملاقات ہو جائے تو "وصل" ہے ورنہ "فرقت"! ——
یہ گویا آپ کا "توازن" ہے! یہ آپ کی زندگی کا دستور العمل ہے! تالاب میں رہنے والا مینڈک بھی تو یہی توازن رکھتا ہے! کیچڑ میں کودتا ہے، تالاب کے کنارے بیٹھ کر چیختا ہے، برسات اس طرح گذارتا ہے پھر اگلی برسات تک کے لیے غائب ہو جاتا ہے، جو کچھ اُس کے تالاب میں ہے وہ سب اُس کو معلوم ہے۔ اُس کے سوا وہ کچھ نہیں جانتا! اس مینڈک کی زندگی کا "توازن" بھی وہی ہے جو آپ کا ہے! درحقیقت تم جیسے عشاق میرے عشق کے دائرہ میں اسی طرح بند ہیں جس طرح مینڈک تالاب میں۔ میں اپنے گرد و پیش ساری دنیا کو دیکھتی ہوں اور وہ صرف میرے زلف و ابرو کی حدود میں نظر بند رہتے ہیں۔ میں انسانوں کو ایک ایک خشک ہڈی پہ غراتے اور لڑتے دیکھتی ہوں، چار پیسہ کے نفع کے لیئے ایک دوسرے کا گلا گھونٹتے دیکھتی ہوں، شخصی اثر اور سیاسی قوت کے حصول کے لیئے ایک دوسرے کی قبریں کھودتے ہیں دیکھتی ہوں۔ بہت سے ایسے دیکھتی ہوں جو تمھاری طرح اپنے نفس لئیم کی تسکین کے لیئے عورتوں کی زندگی اور اپنی جوانی برباد

کرتے ہیں، اور جوانی برباد کرنے کے بعد بھی اپنے بڑھاپے کو ہمارے قدموں میں ڈال دیتے ہیں! کچھ وہ ہیں جو "روحانیت"، "طریقت"، "معرفت"، اور "تصوف" کا جامہ پہن کر ایمانوں کو لوٹتے ہیں اور قال اللہ و قال الرسول کے پردہ میں لوگوں کے کپڑے اُتار لیتے ہیں۔ بہت وہ ہیں جو زندگی بھر نہ خود چین سے بیٹھتے ہیں نہ دوسروں کو بیٹھنے دیتے ہیں ــــــ میں تم سب کو اسی طرح لڑتے جھگڑتے، مارتے، مرتے، اُچھلتے، ڈوبتے، فنا ہوتے دیکھتی ہوں اور تم لوگوں کی بدحالی سے یہ سبق لیتی ہوں کہ دنیا کو پھر ایک طوفانِ نوح کی ضرورت ہے، جو ایک ہی دفعہ زندگی کا سارا نظام درہم و برہم کر دے، اس طرح کہ اُس کا نشان بھی باقی نہ رہے ــــــ پھر سطحِ زمین پر از سرِ نو زندگی کا نمو شروع ہو اور نظامِ قدرت کا وہ توازن جس کو تم نے تباہ کر دیا ہے، پھر ایک دفعہ اس دنیا میں قائم ہو جائے! ــــــ تم اپنی ترازو میں جس کا پاسنگ غلط ہے ہر عورت کو تولتے ہو، پھر جو عورت تمھاری ترازو میں کم وزن نظر آتی ہے اُس سے کہتے ہو کہ تیرا توازن خراب ہے! ہم جیسے گناہگاروں میں صحیح توازن پیدا کرنے کے لیئے جب تم کوئی مدرسہ قائم کرو گے تو میرا نام بھی طلبا کی فہرست میں لکھ لینا! ابھی تو آپ کے توازن کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ میری صرف ایک چٹکی میں، ایک ہی خفیف مُسکراہٹ میں،

تہ و بالا ہو جاتا ہے، میرے تیور ذرا بدلیں، میرے بالوں کی ایک لٹ ذرا ہوا میں جھولے میری ساری کا پلّو آپ کے دامن سے چھو جائے ـــــ آپ کا "توازن" ریتے کی دیوار کی طرح بیٹھ جاتا ہے!! کاغذ کی ناؤ کی طرح ڈوب جاتا ہے!! ـــــ یہ جناب کا توازن ہے! اور میرا توازن؟ میرا "توازن" یہ ہے کہ تم جیسے سینکڑوں بیوقوف بدنصیبوں کی داستان عشق ـــــ آنسوؤں، آہوں اور ہچکیوں کے ساتھ آٹھ پہر سنتی ہوں اور اپنی جگہ پر قائم ہوں! میرے عشاق روتے پیٹتے آتے ہیں اور روتے پیٹتے گذر جاتے ہیں۔ میں ایک مضبوط چٹان کی طرح وہیں ہوں جہاں تھی جنگل کے سایہ دار درخت کی طرح، جس کے سایہ میں ہر قسم کے مسافر آکر دم لیتے ہیں بھوکے، پیاسے، تھکے، ہارے، ہنستے، روتے ـــــ ایک دو ساعت ٹھیرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں ـــــ میں زندگی کے لق و دق صحرا میں کھڑی جھومتی ہوں! طوفانوں کی بجلیاں میرے سر پر کوندتی ہیں، بادل جھومتے ہیں، برستے ہیں اور گذر جاتے ہیں، آندھیاں آتی ہیں اور اُتر جاتی ہیں، آفتاب کی گرم شعاعیں اور ماہتاب کی ٹھنڈی روشنی مجھ سے لپٹتی ہے اور فنا ہو جاتی ہے، مگر میں جس مرکز پر جم گئی ہوں، ساری عمر وہیں گذار دوں گی مجھے تم "توازن" سکھاؤ گے؟ ـــــ تم!!

تیئیسواں خط

کل "توازن" والا خط ختم نہ کر پائی۔ ایک پرانے جاننے والے تشریف لے آئے تھے اور میں اُن کے توازن کا امتحان لینے میں مصروف رہی! اس سلسلے میں مجھے اپنے عاشقوں کی ایک فہرست یاد آئی جو کچھ عرصہ ہوا میں نے مرتب کرنی شروع کی تھی۔ ایک دن شام کو سخت بارش ہو رہی تھی، عاشقانِ جانباز اپنے گھروں میں سیلے ہوئے پڑے تھے، میں تنہا بیٹھی تھی، اُسی زمانہ میں میرے ایک فدائی نکاح کا پیام لے کر صبح شام آیا کرتے تھے۔ بیٹھے بیٹھے میں نے سوچا کہ دنیا میں چھوڑ ہی کیا جاؤں گی، لاؤ نکاح کے پیاموں کی ایک فہرست مرتب کر لوں تاکہ میرے مرنے کے بعد ان موذیوں اور بیوقوفوں کو جو آج میرے وجود پر طعنہ زن ہوتے ہیں اور اپنی جنس کی بلند مقامی پر ناز کرتے ہیں یہ تو معلوم ہو کہ اُن ہی کی بلند مقام جنس کے کتنے افراد عالی مقام اپنی سوسائٹی کے خود ساختہ اصولوں پر لات مار کر مجھے نکاح کا پیام دیا کرتے تھے۔ شاید مردوں کے غرور کو اس فہرست سے کچھ ٹھیس لگے! تمھیں شرمانے کے لیے اس فہرست کا ایک ورق نقل کرتی ہوں اصلی ناموں سے تم کو کچھ غرض نہیں، صفات کے متعلق اگر میرے مختصر اشاروں سے لطف اندوز ہو سکو تو سمجھوں گی کہ تمھارے اندر عقل کی

ایک رتی باقی ہے!______بقدر اشک بلبل! ناموں کے بجائے
صرف نمبر لکھتی ہوں۔ ان ہی نمبروں میں کہیں تمہارا نام بھی ہوگا!

یہ "لیلیٰ" کا خاتمۂ کلام ہے۔ اُس کے اُن عاشقوں کی
یہ فہرست جو اُس کو نکاح کا پیام دیا کرتے تھے۔ اُن
مکار مردوں کے لیے یہ دستاویز ایک عبرت انگیز
ورثہ ہے جو عورت کو بدنام کر کے اپنی جنس کا تفوق
ثابت کیا کرتے ہیں!!______خود لیلیٰ نے مرتب
کی۔ لیلیٰ بنت لیلیٰ بنت لیلیٰ______پیشہ عصمت فروشی
وطن ہندوستان______سمجھ دار، زود فہم، چالاک،
ذہین، شریر، بدمعاش، حرافہ______۲۲ برس کی
بڑھیا کھوسٹ______آج بتاریخ______۱۹۳۱ء
بمقام   قلمبند کی گئی تاکہ بعد وفات راقمہ ان نکاح
کی خواہش کرنے والے عاشقوں کے لیے سند ہو!!

(۱)............ عورتوں کا شکاری ہمیشہ صبح
کے وقت آتا ہے۔ جب میری حرارت غریزی کم ہوتی
ہے، امید کرتا ہے کہ کسی نہ کسی دن میرے کسی کمزور لمحہ
میں جیت جائے گا______

(۲)............ ڈیڑھ سو گھوڑوں کی طاقت والا
عاشق! کوٹھے کے زینہ پر بھاری قدم اس طرح ڈالتا

ہے کہ گویا پولیس کا سب انسپکٹر تلاشی کا وارنٹ لیکر آرہا ہے! حملہ براہ راست اور بخط مستقیم کرتا ہے! میرے دو چار طمانچوں اور دس بیس گالیوں سے ذرا افسردہ خاطر نہیں ہوتا، کھائے جاتا ہے اور اپنی کہے جاتا ہے!!

(۳) .... سور کی طرح سر جھکا کر سیدھا حملہ کرتا ہے، جھونک غضب کی ہوتی ہے۔ اُس کے راستہ سے ذرا ہٹ جاتی ہوں تو اپنی جھونک میں گذرتا چلا جاتا ہے۔ رُک نہیں سکتا، اسی طرح اُس کے حملوں سے ہر دفعہ بچتی ہوں!—

(۴) .... دیوانہ بیل! سر جھکائے دُم اٹھائے مُنھ سے جھاگ گراتا ہوا آتا ہے۔ کھال بہت موٹی ہے!—

(۵) .... جرات رندانہ کا بہت بڑا ذخیرہ رکھتا ہے۔ ایک دفعہ اُس کے ساتھ موٹر میں ہوا کھانے گئی۔ عہد کرلیا کہ آئندہ فولادی زرہ بکتر پہنے بغیر ہرگز نہ جاؤں گی!—

(۶) .... بلّی کی سی چمکتی آنکھیں جو اندھیرے میں زیادہ چمکتی ہیں، دبے پاؤں آتا ہے، نرم کھال کے اندر نوکدار پنجے چھپائے ہوئے، اس طرح کونے میں آنکھیں نیچی کرکے بیٹھتا ہے جیسے بلّی چوہے کے انتظار میں!—

(۷) .... رات بھر تاش کھیلتا ہے، سگریٹ

پیتا ہے صبح کو اخبار کا لیڈنگ آرٹکل لکھتا ہے، اور دوپہر کے بعد پھر میرے عشق میں مبتلا ہو کر اور بھی زیادہ سگریٹ پیتا ہے اور بھی زیادہ تاش کھیلتا ہے! ——

(۸) .... بیمار ہے بیچارہ! حکیم صاحب کے مطب سے اُٹھ کر سیدھا میرے پاس آتا ہے، مجھے دیکھتے ہی دیکھتے ضیق النفس کا دورہ پڑتا ہے، اور واپس مطب میں چلا جاتا ہے! ——

(۹) .... میں اُس سے عمر میں ایک ہزار برس بڑی ہوں! پیدا ہونے سے پہلے، بلکہ اپنے باپ کے پیدا ہونے سے بھی پہلے وہ مجھ پر عاشق ہو چکا تھا! ——

(۱۰) .... مالدار، بھدا، بوڑھا، مثنوی زہر عشق اور گلزار داغ کے اشعار پڑھ پڑھ کر روتا ہے! ——

(۱۱) .... نمبر ۱ سے مالدار زیادہ بھدا کم، ایک زوجۂ محترمہ کا فی الحال بلا شرکت غیرے مالک۔ نکاح ثانی کی تمنا ہے، دس بارہ بچے پیدا کر چکا ہے، دس بارہ اور میری گود میں پیدا کرنا چاہتا ہے! ——

(۱۲) .... باتونی، مرتا ہے اور زندہ ہے! نکاح بھی کرنا چاہتا ہے اور جبتک میں نکاح پر راضی ہوں ناجائز تعلقات سے بھی دستکش ہونا نہیں چاہتا

ہر حال میں مجھے چھوڑنا نہیں چاہتا، ضدی مکھی کی طرح ہر وقت میرے کانوں پر بھنبھناتا رہتا ہے!——

(۱۳) .... بہت مہذب، معقول، سنجیدہ علمی مذاق رکھتا ہے، فلسفہ جنسیت کا بہت مطالعہ کرتا ہے مجھے بھی عورت اور مرد کے تعلقات کے متعلق ضروری مسائل سمجھاتا رہتا ہے:——

(۱۴) .... قوم کا لیڈر ہے، شام کو جلسوں میں لکچر دیتا ہے، رات کو کھدر کا لباس پہنے میرے گھر آتا ہے۔ زنان بازاری میں قومی جذبات پیدا کرنے کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے! اپنی عشق بازی کے ذریعہ سے مجھے بھی قوم پرست بنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے!——

(۱۵) .... سرخ، کبھی سفید، کبھی بھورا—— الّو —— رنگ بدلتا رہتا ہے۔ دن بھر گھر میں لیٹا ہوا طلسم ہوش ربا پڑھا کرتا ہے۔ رات کو میرے بالا خانہ پر آکر بولتا ہے —— تھوڑی سی افیون بھی کھاتا ہے!——

(۱۶) .... حضرت مولنا! کوٹھے پر نہیں آتے —— پیام بھیجا کرتے ہیں۔ میرے سر میں درد کی خبر سنتے ہیں تو تعویذ بھیج دیتے ہیں۔ بظاہر اور فی الحال پدرانہ اور بزرگانہ شفقت فرماتے ہیں، اکثر میری موجودہ حالت پر

اظہار افسوس فرمایا کرتے ہیں۔ سُنا ہے کہ مجھے نکاح پر آمادہ کرنے کے لیے کوئی وظیفہ عمل شروع کرنے والے ہیں!——

(۱۷)............ بی۔اے۔ایل ایل۔بی خوش رو، خوش پوشاک، شرمیلا، جوش عشق کا اظہار زبان سے کم مگر قلم سے بہت زیادہ کرتا ہے۔ آدمی بُرا نہیں——
ذرا بیوقوف ہے! عاشق بنتے بنتے اب خاوند بننا چاہتا ہے۔ بڑھتا آتا ہے، میں ہٹتی جاتی ہوں، وہ بڑھتا آتا ہے، ڈرتی ہوں کہیں پھنس نہ جاؤں! پیچھے دیوار ہے سامنے وہ ہے، وہ بڑھتا ہی رہے گا تو میں کہاں تک ہٹ سکونگی۔ مجھے بھاگ جانا چاہیے!——"

کچھ دیکھا؟ کچھ سمجھے؟ میری زندگی کے بیابان ریگستان میں کیسے کیسے اونٹ گذرتے ہیں! پھر میں ان سب کی نکیل ہاتھ میں رکھتی ہوں، کسی کو ایک قدم اِدھر یا اُدھر نہیں جانے دیتی! یہ کیا ہے؟ اگر توازن نہیں ہے؟ یاد رکھو جس کا ارادہ قوی ہے۔ اسی کا "توازن" بھی صحیح ہوگا۔ ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی قوتِ ارادی زیادہ قوی ہوجاتی ہے۔ خود ظالم کا ظلم مظلوم کے عزم کو قوت بخشتا ہے۔ جس کو تم عورتوں کی عیاری و مکاری کہتے ہو وہ تمھارے تیز پنجوں سے بچنے کے لیے ایک زرہ بکتر ہے جس کو استعمال کرنا تم ہی نے ہم کو سکھایا ہے۔

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست!

دوسری کتاب

چوبیسواں خط

تمہاری کل رات کی گفتگو نے میرے زخموں کو بُری طرح چھیڑ دیا ہے میں تو سمجھی تھی کہ یہ زخم ناسور ہیں، اب ان میں سوزش نہ ہوگی مگر وہ جو سوچا تھا وہ غلط نکلا! اپنی زندگی کے حال و استقبال کا جائزہ لے رہی ہوں معلوم نہیں کس نتیجہ پر پہنچوں!! دو چار دن مجھ سے دُور رہو، میرے سامنے نہ آؤ، نہ مجھے خط لکھو نہ پیام بھیجو۔ میں چلتے چلتے ایک دوراہے پر آگئی ہوں، حیران ہوں کہ میری منزل کس سڑک پر ہے، اللہ! سوچنے دو، سنبھلنے دو! ——

اگر تم نہ مانوگے اور میرے گھر آؤ گے، تو میرا دروازہ بند پاؤ گے، خط لکھو گے تو بغیر پڑھے اُس کو آگ میں ڈال دوں گی۔ انسان کی زندگی میں ایک وقت آتا ہے جب وہ اُس منزل پر پہنچتا ہے جہاں "حال" کی سرحد ختم اور "استقبال" کی سرحد شروع ہوتی ہے —— کل رات میں اُس سرحد پر آگئی! میرا تمام وجود روحانی حیران و ششدر رہ گیا! یہ کیا ہو گیا؟ مجھے خبر بھی نہ ہوئی اور تم چوروں کی طرح وہاں گھس آئے جہاں فرشتوں کا گذر بھی مشکل ہے ——

میری روح کے خلوت خانہ میں جس کے دروازہ پر میں نے تالا لگا کر مہریں کر دی تھیں! آنکھیں بند کیے بھاگی چلی جا رہی تھی سمجھتی تھی کہ یہی

راستہ آزادی کا ہے ـــــ ٹھوکر لگی تو اپنے کو اس منزل پر پایا
جس منزل سے دور بھاگ رہی تھی! کیا ایسے حوادث کا نام مقدرات
ہے؟ قسمت اسی کو کہتے ہیں؟ جب مشرق کی طرف مُنہ کرکے بھاگے
اور مغرب میں پہنچ جائے، جب آسمان کی طرف پرواز کرتا ہو اور
زمین میں دھنستا چلا جائے ـــــ کیا یہی تقدیر ہے! میں تقدیر
کا کھلونا بن کر دو چار دن کے لیے اپنی روح کے خاموش خلوت خانہ
میں معتکف ہوتی ہوں، دو چار دن بعد جب اس اعتکاف سے
باہر آوں گی تو اپنی قسمت کا فیصلہ کرکے آؤں گی۔ دریا چڑھا
ہوا ہے ـــــ بند باندھ رہی ہوں ـــــ مجھے بند باندھنے
دو! میں نے ہمیشہ حقارت اور استہزا سے تمہارے ادعائے عشق
و عاشقی کو ٹھکرایا ہے ـــــ آج مغلوب ہوئی جاتی ہوں اور
ہاتھ جوڑتی ہوں، مجھے مہلت دو کہ میں اپنا گلا گھونٹ لوں ـــــ
اے اللہ! اے معبود ـــــ کیا یہ بھی نہ ہو سکے گا؟

پچیسواں خط

بار بار مت لکھو، میں پڑھ نہیں سکتی، سُن نہیں سکتی۔ میرے
پاس کوئی جواب نہیں، میں تپائی جا رہی ہوں، آگ پر رکھی

ہوئی ہوں، شعلے بھڑک رہے ہیں، یا تو یہ لوہا پانی ہو کر بہہ جائیگا یا کسی نئے سانچے میں کوئی نئی شکل اختیار کریگا ——— دق نہ کرو، میں جل رہی ہوں ——— پُھک رہی ہوں ——— مٹ رہی ہوں!!

چھبیسواں خط

نہیں سنتے، نہیں سنتے، لکھے جاتے ہو، کہے جاتے ہو! میں ایک نئی دنیا کے دروازہ پر کھڑی ہوں، میرے تخیل کے تمام دیوتا اپنے شہ نشینوں میں اوندھے پڑے ہیں! جس معبود کی میں نے ساری عمر پوجا کی وہ آج سر نہیں اُٹھاتا! میرے لیے اس نئی دنیا میں جس کا دروازہ تم کھول رہے ہو موت بھی ہے اور زندگی بھی ——— کیا ملے گا، کیا پاؤں گی ——— خبر نہیں!!

ستائیسواں خط

تمھیں جواب کا انتظار ہے؟ کیسے جواب کا؟ کس کے جواب کا؟

مجھے بھی جواب کا انتظار ہے! اپنی قسمت سے ایک سوال کیا ہے اس کے جواب کی منتظر ہوں! آسمان کو تک رہی ہوں۔ صبر کرو ——— انتظار کرو!

اٹھائیسواں خط

فیصلہ کر لیا! اس جنت کا دروازہ بند کر لو جہاں تم مجھے لے جانا چاہتے تھے، وہ جنت میرے لیے نہیں ہے! میرا فیصلہ آخری اور قطعی ہے! جاؤ، میری زندگی کی حدود سے باہر نکل جاؤ ——— اتنی دور کہ ایک نقش قدم بھی نہ پا سکو! جتنا رونا چاہو، رو لو، سر پٹکنا چاہو، سر پٹک لو ——— مرجانا چاہو، مر جاؤ! ہر حال میں جو گذر چکا اُس کو بھول جاؤ! کسی زمانہ میں میرا غم نصیب دل بہت روشن اور بہت زندہ تھا ——— اس گھر میں نور ہی نور تھا ——— محبت کا نور! ظلمت نام کو نہ تھی ——— غم اور گناہ کی ظلمت! پھر ایک بے وفا نے اُس گھر کو اس طرح برباد کیا کہ اُس کی دیواریں تک مسمار کر ڈالیں۔ وہ اس گھر کی خاک اُڑا کر ہنستا کھیلتا اپنے راستے چلا گیا۔ مرد اسی طرح آباد گھروں کو برباد کر کے گذر جایا کرتے ہیں ——— بھول جایا کرتے ہیں!! مگر عورتیں

یاد رکھتی ہیں اور کبھی کبھی انتقام کی آرزو میں ساری عمر گذار دیتی ہیں ــــــ

عورتیں تین قسم کی ہوتی ہیں :- (۱) وہ جو اپنے کو بلا شرط ہبہ کر دیتی ہیں ــــــ مرد ایسی عورتوں کی طرف بہت کم توجہ کرتا ہے۔ (۲) وہ جو عاریتاً اپنا جسم مرد کو دیتی ہیں ــــــ مرد اُن سے سرِراہ تھوڑی سی دلچسپی لیتا ہے اور بھول جاتا ہے، (۳) وہ جو مرد کے دماغ کا گودا نکال کر پھینک دیتی ہیں، اُس کی آنکھیں نکال لیتی ہیں، اُس کو جھنجوڑتی ہیں، پٹکتی ہیں، ٹھکراتی ہیں۔ ــــــ مرد اُن ہی عورتوں پر مرتا ہے !! میں نے عصمت فروشی کے مکتب میں اِس فن کے بہت سے راز سیکھے، مگر جب کسی چاہنے والے کے دماغ کا گودا نکالنے کا وقت آتا ہے، میرے دل کے کسی گوشہ میں رحم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں ــــــ یہی میرے دل کا کمزور گوشہ ہے ــــــ اور میں اُس گناہگار کو بخش دیتی ہوں ــــــ یہی میری کمزوری اور بزدلی ہے، اور یہی عمل میرے مذہب میں کفر ہے ایہی وجہ ہے کہ میرے چاہنے والوں کے قافلے آتے ہیں، ایک رات کارواں سرائے میں ٹھیرتے ہیں اور گذر جاتے ہیں !! ــــــ میں اِسی حال میں خوش ہوں۔ خوش ہوں کہ مجھے کوئی یاد نہیں رکھتا ــــــ خوش ہوں کہ مجھے سب بھول جاتے ہیں۔ تم بھی اسی طرح ــــــ کسی طرح ــــــ جس طرح ہو سکے مجھے بھول جاؤ۔

اُس اُجڑے گھر کی دیواریں جو میرا دل ہے میں نے آخری تباہی کے
بعد از سرِ نو بنائی ہیں اور اس دفعہ اُس گھر کے تمام دروازے اور
روشندان بند کر دیے ہیں تاکہ باہر کی ہوا کا کوئی جھونکا اور روشنی
کی کوئی شعاع کسی طرح بھی اندر نہ داخل ہو سکے ——— لیکن،
میرے اس گھر کی تاریکی میں کہیں سے ایک شعاع داخل ہو رہی ہے!
الٰہی! یہ غضب ہو رہا ہے! کیا دیوار کی کوئی اینٹ، یا پتھر کا کوئی ٹکڑا
کہیں اپنی جگہ سے ہل گیا ہے! شاید دیواروں کی چنائی میں کوئی خلا
پیدا ہو گیا ہے جو باہر کی روشنی کو اندر آنے کا راستہ دے رہا ہے!
ربِ میرے! کیا ہو گا پھر اُس گھر کے روشندان کھُل گئے؟ کیا ہو گا اگر
پھر اس راکھ کے ڈھیر میں کسی چنگاری نے گھر کر لیا؟ کیا پھر ایک دفعہ
مجھے اپنے تمام اسلحہ جسم سے الگ کرتے ہوں گے؟ میرا زرہ بکتر پھر
میرے جسم سے اُتارا جائے گا؟ میری تلوار میری کمر سے کھولی جائیگی،
مجھے پھر بیدست و پا کر دیا جائے گا؟ میں پھر کسی کے رحم پر چھوڑ
دی جاؤں گی؟ میں پھر محبّت کی عریانی کو چھپانے کے لیے ایک بیوفا
مرد سے لباس مانگوں گی؟ میرے دل میں گناہ کی سلطنت کا خاتمہ
کر دیا جائے گا اور محبت کی زنجیریں میرے جسم کو، میرے تمام تر
وجودِ معنوی کو، باندھ کر ڈال دیں گی؟ الٰہی کیا ہو گا؟ کیا ہونے والا
ہے میں لرز رہی ہوں، میں کانپ رہی ہوں، میرا دماغ چکرا رہا ہے
ایک طوفانی سمندر کے کنارے کھڑی ہوں، موجیں بڑھتی آتی ہیں ———

بڑھتی آتی ہیں! کیا پھر میری کشتی ملاح کی محتاج ہوگی؟

رب العالمین! ایسا تو نہ ہو ـــــ مرجاؤں گی، ختم ہو جاؤنگی گناہوں کی شہنشاہیت پر محبت کی بے بسی کو ترجیح؟ ـــــ نہیں ہو سکتی ـــــ نہیں ہونی چاہیے ـــــ نہیں ہوگی!! میں بھاگ جاؤنگی، میں ڈوب جاؤں گی، میں مرجاؤں گی ـــــ محبت کے دیوتا، تیرا تیر پھر کبھی میرے سینہ تک پہنچنے نہ پائے گا! گناہ کی گہری نیند سے جگائی جارہی ہوں ـــــ میں نہیں جاگنا چاہتی ـــــ وہ نیند میرے لیے موت کی نیند ہونا چاہیے ـــــ زندگی، میں نہیں چاہتی ـــــ نہیں چاہتی! کیوں مجھے پھر زندہ کیا جارہا ہے؟ کیا اس کے سوا میرے گناہوں کی کوئی اور سزا تجویز نہیں ہوسکتی؟

"تو بھاگتی ہے، تو گرفتار کیجائے گی۔ تو مُردوں کی نیند سونا چاہتی ہے، تو جگائی جائے گی" کوئی میرے کان میں بار بار کہے جاتا ہے! اور میں چیختی ہوں:۔ "بھاگ جاؤں گی، ہاتھ نہ آؤں گی، مرجاؤنگی، مجھے جگاؤ مت، گناہ کی نیند میں موت کے خواب دیکھنے دو! محبت کے زہر کا مزا اب تک زبان پر باقی ہے ـــــ کیا وہی زہر پھر پلاؤ گے؟ نہیں پیوں گی ـــــ نہیں پیوں گی! ـــــ"

گناہ کی نیند میری راحت کا تنہا وسیلہ ہے۔ گناہ اور بے شرمی کو بھول کر، گناہ اور بے شرمی کا ارتکاب کرتی ہوں۔ پتھر کی طرح سخت، سرد اور بے حس ہوکر، نہ کچھ دیکھتی نہ کچھ سنتی ہوں، خدا کے

لیے مجھے جگاؤ نہیں ـــــ سونے دو ـــــ میری خواب گاہ میں آہستہ قدم اُٹھاؤ۔ میں جاگ اُٹھی تو مرجاؤں گی !!

میری عمر کا سب سے بڑا حصّہ، آہوں اور آنسوؤں کا ایک مجموعہ ہے، اب کہ میں چند ساعت کے لیے اُن آہوں اور آنسوؤں کے کرب کو بھول کر گناہ کے قہقہہ میں مست اور بے خبر ہوں، مجھے مست اور بے خبر رہنے دو۔ اِس مستی اور بے خبری کو اُس زہر سے تلخ نہ کرو جو عورت کے دل میں محبّت بن کر سرایت کرتا ہے !

میرا آخری فیصلہ یہ ہے کہ ہم تم ہمیشہ کے لیے جُدا ہوجائیں۔ میں تمھاری دنیا سے دور اپنے کو مفقود الخبر کرلوں اور تم میری دنیا سے دُور، اپنی دنیا میں جو کچھ گذر چکا ہے اُس کو بھول جاؤ! وہ نہ کرسکی جو کرنا چاہتی تھی، بزدل ہوں، ہمت نہیں، اختیار نہیں ـــــ ہوسکتا تو جان دے کر اس قضیہ کا خاتمہ کر دیتی۔ مگر یہ نہ کرسکی ـــــ اب بھاگتی ہوں !

انتیسواں خط

میرے دل کا عجب حال ہے، تم نے میرے قلعہ کی دیوار دل

میں رخنے پیدا کرنے کی کوشش کی میں مقابلہ پر آمادہ ہوئی، مدافعت کرتی رہی، گر گر کر سنبھلتی رہی، بچتی رہی۔ جس گھر کے دروازے میں ہمیشہ کے لیے بند کر چکی ہوں تم اُس میں داخل ہونے کی کیوں جرأت کرتے ہو؟ اپنے تعشق کے آسمان پر جس ستارہ کو تم تاک رہے ہو، وہ اب غروب ہوتا ہے، غائب ہوتا ہے! پھر کبھی تم اُس کو آسمان پر یا زمین پر نہ پاؤ گے ——— نہ پا سکو گے، چاہے چلاتے چلاتے اور روتے روتے مر بھی جاؤ! بدنصیب عورت کا آخری ہتیار ابھی میرے پاس باقی ہے، میں بھاگ جاؤں گی، میں بھاگ رہی ہوں ——— شکست کھا کر بھاگ رہی ہوں!

جب کل تم یہ سطریں پڑھ رہے ہو گے تو میں تمھارے عشق کی دنیا سے گذر کر کہیں دُور ——— بہت دُور ——— لاپتہ ہو چکی ہوں گی! ڈھونڈتے پھرو گے اور نہ پاؤ گے! ٹھیر نہیں سکتی، اپنی کھیتی کے سرسبز ہونے کا انتظار نہیں کر سکتی، خون کے آنسو روتی ہوں اور گذری چلی جاتی ہوں! میں اپنی کھیتی کو سرسبز دیکھنا ہی نہیں چاہتی۔ پریشان ہوا کی طرح اُڑی چلی جاتی ہوں، خبر نہیں کدھر، اور اپنے راستہ پہ دل کے تمام ارمان نکال کر پھینکتی چلی جاتی ہوں! یہ تخم اگر کبھی سرسبز ہوں گے تو اُس وقت تک میری زندگی ختم ہو چکی ہو گی! آنے والی نسلوں کے لیے، اپنے آنسوؤں سے اس تخم کی بہت آبیاری کر چکی ہوں، میں نہ ہوں گی، مگر میری لاکھوں بہنیں میری کھیتی سے کچھ نہ کچھ

حاصل کریں گی! میری تمہاری عشق و عاشقی ہو چکی، میرے اور تمہارے آنسوؤں کا ہر قطرہ آیندہ آنے والوں کے لیے زندگی کی ایک ضمانت ہے ——— بس یہی یاد رکھو، باقی سب بھول جاؤ ——— بھول جاؤ!

خدا حافظ

یہ وہ خط ہے جو لکھا گیا اور بھیجا نہ گیا ——— میں نے ایک نئی دوکان سجائی ہے ایک نئی گرمی بازار پیدا کی ہے ——— ہر سو گروہ عاشقاں! میں بہت مصروف ہوں، مری راتیں مصروف ہیں اور میرے دن بھی مصروف ہیں! یہ میں نے اپنے عاشقوں کی ایک نئی بستی بسائی ہے ——— گذرے ہوئے زمانہ کو یاد نہیں کرتی مگر جب یاد نہ کرنے کا ادّعا کرتی ہوں تو وہ سارا زمانہ یاد آجاتا ہے! چڑ چڑا کر کہتی ہوں کہ نہیں یاد کرتی ہاں نہیں یاد کرتی! مگر خود میری نفی اقرار بن جاتی ہے! ——— میں نے الفاظ کے دریا بہائے اور سمجھا یہ کہ اِن الفاظ کا اصل وجود بہتے بہتے آخر جاکر اُس سمندر میں مل جائے جس سے مل کر کوئی دریا واپس نہیں آتا! میں نے سمجھا تھا کہ اِن دریاؤں ہی سے سمندر بننا ہے، لیکن معلوم ہوا کہ نہیں! دریا تو ایک بیتاب روح ہے جو سورج اور سمندر کے درمیان بھاگتی رہتی ہے اور تڑپتی رہتی ہے! سُورج کی شعاعیں سمندر سے ان دریاؤں کو کھینچ کر بادل بناتی ہیں، پھر بادل کو برساتی ہیں، پھر برسے ہوئے بادل کے

دریا بہاتی ہیں اور وہ پانی سمندر میں مل جاتا ہے تو پھر اُس کو اپنے آغوش میں کھینچ لیتی ہیں! یہ قوت سمندر کی نہیں سورج کی ہے!! ـــــ اب کوئی مجھے بتائے کہ میں کیا کروں! ـــــ یعنی یہ میرے اقتدارات کی دنیا نہیں، شاید وہ دنیا ہے جس کی نسبت شاعر نے کہا تھا کہ یہاں

مست ہاتھی کو کنول کے ٹہنی سے باندھ سکتے ہیں!
پھول کی پتی سے ہیرے کو کاٹ سکتے ہیں
اور شہد کے ایک قطرہ سے ساتوں سمندروں
کے پانی کو میٹھا کر سکتے ہیں!!

کیا اس تمام عیش و نشاط کا گیت میرے لیے ایک المیّہ بن جائیگا ـــــ روح کا ایک المیّہ جو اکھڑی ہوئی سطروں رُکتے ہوئے لفظوں اور مری روح کے خاموش ترنّم میں شاعر کے گیتوں کے بجائے ایک ایسی غمزدہ موسیقی پیدا کریگا جو کسی مجبور اور تھکی ہوئی روح کی ادھوری کوشش نہ ہوگی بلکہ جو میرے وجود معنوی کو ایک فولادی لنگر عطا کریگی! اُس غمزدہ موسیقی کے ساز میں ایک تار ہے جو کانپ رہا ہے! ـــــ بعض لمحے ایسے گذرتے ہیں جب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک بلبلہ کی طرح کوئی چیز تھی کہ بیٹھ گئی، کوئی زنجیر تھی کہ ٹوٹ گئی ـــــ گویا کوئی چیز دفن ہوئی اور کوئی چیز پیدا ہوگئی!! ـــــ کوئی ہے جو

مری زندگی کے اِس معمہ کو حل کر دیے ؟ کوئی ہے ؟ —— دل پکارتا ہے اور کانوں میں آواز آتی ہے کہ ہاں ! ہے !! —— تو شکست کہاں کر بھاگی تھی مگر تیری شکست ہی میں تیری فتح ہے !! اللہ ہی جانے !!
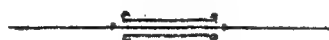
تیسری کتاب

تیسواں خط

بیچارگی اور بے کسی کی گھڑیاں بہت طویل ہوتی ہیں۔ میرے لیے بھی طویل ہوتیں اگر گناہ کے ہنگاموں میں اپنے دل کی کلفتوں کو بھول نہ جایا کرتی۔ پورا ایک سال تو نہ ہوا ہوگا جب میں تمہارے دست طلب سے بچ کر بھاگی تھی۔ اِس عرصہ میں عمر کی صدیاں اس طرح گذر گئیں جیسے تمہارے لیے وصل کی ایک شب! ہر دن اور ہر مہینہ ایک لمحہ اور ایک ساعت کی برابر تھا۔ گذشتہ سال کی طغیانی کے بعد جب دریا اُترا تو اُس کے کناروں پر کیچڑ اور متعفن کوڑا اور سڑی ہوئی لاشیں جو باقی رہ گئیں اُن کی گندگی میں میں نے یہ پورا سال گذار دیا! بھاگ جانے کا آخری فیصلہ میرے لیے پہاڑ کی چڑھائی تھی ——— مشکل سے چڑھ سکی مگر چڑھ گئی ——— تم کھینچتے ہی رہے، روکتے ہی رہے۔ لیکن وہ شدید ہیجان اور اضطراب کا عالم تھا کہ میں اپنا دامن چھڑا کر بھاگی اور پہاڑ پر چڑھتی چلی گئی۔ تا آنکہ اُس کی چوٹی پر پہنچ کر دم لیا! اُس وقت یک گونہ اطمینان ہوا کہ تم سے دُور رہ کر میں ہاتھ نہ آؤں گی! مگر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے سے پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ دوسری طرف کا اُتار اِس چڑھائی سے بھی کچھ زیادہ مشکل ہے۔ چڑھائی میں تمام قوت صرف

کر دینے کے بعد اُتار کے وقت ہاتھ پانؤں قابو میں نہیں رہتے اور چڑھنے والا چوٹی پر پہنچ کر پھر جو بے اختیار پھسلتا ہے تو پھسلتا ہی چلا جاتا ہے! باوجود تمھاری مزاحمت کے میں نے پہاڑ کی چڑھائی طے کر لی، مگر یہ کیا خبر تھی کہ پہاڑ کے دوسری طرف مجھے میری قسمت کہاں لے جائیگی۔ ہاں! تم سے دُور ہوگئی، مگر کچھ زیادہ دُور ہی نہیں! یہ مجھے اب معلوم ہوا! بہر حال گذشتہ بارہ مہینوں میں میں نے اپنے وجود فانی کو، پہلے سے زیادہ وارفتگی کے ساتھ عصمت فروشی کے دوزخ میں جھونک دیا، اور میں تم سے کیا کہوں کہ کس طرح میں نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ——— گذشتہ ایک سال میں ——— گناہ سے خالی نہیں چھوڑا۔ معصیت، نفس پرستی، حُسن فروشی (دنیا والوں کی اصطلاح میں جو چاہے کہو) کے ہجوم اور ہنگامہ میں میں نے سب کچھ بُھلا دینے کی کوشش کی۔ کچھ بھی یاد نہ رکھنا چاہیے! کم از کم بُھلانے اور بھول جانے کی ایک حد تک کامیاب کوشش کی! میں اپنے اُترے ہوئے دریا کی کیچڑ میں کھیلنے لگی! گندگی کا احساس اگر کچھ باقی تھا تو اُس کو بھی میں نے اپنے دل سے مٹا دینا چاہا۔ میری زندگی کا ہر لمحہ نئے عشاق کی تلاش میں گذرنے لگا۔ اور ہر شب میں عہد کر لیا کہ میرا بستر خالی نہ رہے گا! کم و بیش ۳۶۵ دن اور ۳۶۵ راتیں میں اس طرح گذار چکی! اپنے خیال میں میں نے ازدواجی زندگی کے تمام امکانات کا خاتمہ

کرلیا۔ اب تو میرا وجود معنوی بھی اس قدر گندہ ہوگیا ہے اور میرا ظاہری حُسن بھی اس قدر پھیکا پڑگیا ہے کہ تم ایک دفعہ دیکھ کر منہ پھیر لوگے! میری روح کا تعفن میرے جسم کے ہر رونگٹے سے نکل رہا ہے۔ پہلے تو شاید میرے لباس زندگی کے چند ٹکڑے دھبّوں سے بچے ہوئے بھی تھے۔ مگر میں نے وہ لباس ہی اب پھاڑ کر پھینک دیا ـــــ عُریاں ہوں ـــــ شیطان کی طرح عُریاں ہوں! جب تک محض پانی گندہ تھا اور اس قدر متعفن نہ تھا تم اپنے لیے اُس کو آب حیات سمجھتے رہے، اب صرف کیچڑ باقی ہے، وہ بھی نہایت متعفن، اس لیے مجھے یقین ہے کہ اب اُس کے تم قریب آنا بھی گوارا نہ کروگے ـــــ

معلوم نہیں تم کو کس طرح میرا پتہ معلوم ہوا، بہر حال تمھارے خط کے آنے سے میں خوف زدہ نہیں ہوئی۔ اب تو وہ عالم ہے کہ جب چاہے مجھے آکر دیکھ لو! لیلیٰ اب وہ لیلیٰ ہی نہیں جس کو تم پیام محبت دیتے تھے۔ اپنے حسن کو میں نے دونوں ہاتھوں سے لٹا دیا ہے، میرا چہرہ اب بے نور اور میری روح تاریک ہے، میرے عارض کی چمک جو کچھ ہے وہ پوڈر اور غازہ کی مرہون منت ہے۔ گویا چہرہ پر ایک خول چڑھا ہوا ہے ایک زر کار نقاب پڑی ہوئی ہے! صبح کو میری صورت دیکھو تو چڑیل نظر آتی ہوں۔ شام کو میری بہار دیکھنا چاہو تو تھیٹر کی لال پری معلوم ہوتی ہوں حُسن کا

سرمایہ ختم کرچکی ـــــ دیوالیہ ہوں! اُس کشش اور جاذبیت کو ـــــ جس نے تمھیں دیوانہ بنایا تھا ـــــ مٹاکر میں نے اپنی زندگی کو اب اس قدر مسخ کردیا ہے کہ شاید تم دیکھ کر پہچان بھی نہ سکو گے! پھر میں تمھارے آنے اور ملنے سے کیوں گھبراؤں! گھر کا سارا اثاثہ لٹا چکی، اب چوروں کا کیا ڈر؟

رہا کھٹکا نہ چوری کا دُعا دیتی ہوں رہزن کو!

بہتر یہ تھا کہ تم اپنا وقت اب ضایع نہ کرتے اور مجھ تک آنے کی تکلیف گوارا نہ کرتے، مگر آنا چاہتے ہو تو آؤ، جتنی راتیں تم چاہو گے میرے بستر پر بسر کرسکو گے، اپنے دیو کو آسودہ کرکے چلے جانا، اور مجھ سے آسودہ ہونے کے بعد بھی اگر تمھارا دیو کوئی نیا مشغلہ ڈھونڈے تو یہاں میری ہم پیشہ اور بھی بہت ہیں جن سے تمھارے نفس کی تواضع کرسکتی ہوں! میرے ساتھ تمھاری عشق و عاشقی یقین ہے کہ پہلے ہی دن، مجھے دیکھنے کے بعد ختم ہوجائے گی! اب جو میں نے اپنی حالت بنائی ہے وہ تمھارے عشق کا اچھا علاج ہے! میں نے اپنی اُس لغزش کا خوب مداوا کرلیا ہے جو نہ جانے کیونکر، تمھارے نکاح کے پیام کے بعد پیدا ہوگئی تھی، اُس زمانہ کو اب میں اس طرح یاد کرتی ہوں جس طرح ملیریا کے موسم کے جاڑے بخار کو، صحت ہوجانے کے بعد! آؤ اب تمھارے جنون کا بھی علاج کردوں! میری زندگی کا وہ سمندر جس میں تم اپنی کشتی لے کر آگئے تھے اور جس کے

پانی کو تمھارے پتواروں نے متلاطم کردیا تھا۔ اب محض ایک چہ بچہ ہوکر رہ گیا ہے، اس میں پانی ہی کہاں ہے جس کو تم متحرک کرسکو! عورت کی کمزوری جس کو لوگ "محبت" کہتے ہیں اور جس سے مرد ہمیشہ ناجائز فائدہ حاصل کرتا ہے، وہ کمزوری جس کی ایک جھلک تم نے دیکھی تھی، وہ سب فنا ہو چکی! میں تم سے اور تمھارے عشق کی شورش سے ڈر کر بھاگی تھی اور کچھ عرصہ تک بہت ڈرتی رہی ——— یہاں آنے کے بعد بھی کبھی کبھی تنہائی کے لمحوں میں میرے اندر کوئی دوسرا وجود مجھے دھمکایا کرتا تھا:—

"لیلیٰ! بچنا مشکل ہے، تیرے دل میں چنگاری ہنوز موجود ہے، تو محبت کے پھندے میں پھنس گئی ہے، تیرے دل کی پرانی قبر میں مردہ پھر کروٹیں لے رہا ہے! اب کیا کرے گی، کہاں بھاگ کر جائے گی؟ آخر تیرے حسن کو عشق کی دہلیز پر اپنا سر رکھ دینا ہی پڑیگا! اب تیرے پرانے اسلحہ زنگ آلود ہو گئے، ان کی وہ دھار کہاں باقی ہے جس پر تو اترایا کرتی ہے! ٹوٹی ہوئی تلوار کی مرصع نیام بھی میلی ہو چکی! بھول جا اب گذرے ہوئے زمانہ کو!"

پھر میرا شیطان میری مدد کرتا تھا، وہ کہتا تھا:—

"گھبرانے کی کیا بات ہے۔ لیلیٰ تو ڈرتی ہے——— تو؟

جس نے سینکڑوں موذیوں کو اپنی چٹکی میں مسل ڈالا!
محبت ایک دھوکا ہے، محبت ایک فریب ہے، بھول کر
بھی اُس کا خیال نہ کیجیو۔ تجھے مردوں سے اُن مظالم کا
بدلہ لینا ہے، جو تجھ پر کیے گئے ہیں، ایک سانپ نے
تجھے کاٹا تھا۔ اب تو سانپوں کی تمام نسل کو تباہ کر دے
ختم کر دے! تو ظالموں کی زندگیوں کو تباہ کیے جا،
مٹائے جا! اُن کے وجود ظاہری و باطنی میں زہر
ملائے جا ـــــ ایسا زہر قاتل ملائے جا کہ اُن کی آیندہ
نسلیں بھی ہمیشہ تلخ کام رہیں! خبردار، گھبرانا نہیں!
تیرے ڈنک میں کافی زہر ہے! شیروں کے پنجے اور
بھیڑیوں کے دانت توڑ دے ـــــ فتح تیری ہے"

میرا شیطان جتنی باتیں کہتا ہے، سچ کہتا ہے، جو راستہ مجھے بتاتا ہے، صحیح بتاتا ہے، عشق و محبت سے زیادہ شیریں انتقام کا جذبہ ہے، میرا شیطان انتقام کا دیوتا ہے۔ وہ میرا ہمدم و دمساز ہے، خلوت میں میرا سہارا اور محفل میں میرا محافظ ہے!!

چند ہی روز میں میں نے اپنے کو تمھاری عشق و عاشقی کے مقابلہ میں پہلے سے بہت زیادہ محفوظ کر لیا ہے۔ آؤ! اگر آنا چاہتے ہو! عشق کا کھوٹا سکہ میری دوکان پر نہیں چلتا، سونا چاندی جس قدر جیبوں میں بھر کر لا سکو لیتے آنا! آؤ تو اس طرح آؤ جیسے اہل دل

بازار کو جاتے ہیں، اس طرح نہ آؤ جس طرح سڑک پر لڑکے کٹی ہوئی پتنگ کے پیچھے بھاگتے ہیں! منہ اُٹھائے، آسمان پر آنکھیں جمائے ہاتھ میں بانس کا ایک ٹکڑا لیے ہوئے، بھاگے چلے جاتے ہیں، خبر نہیں ہوتی کہ سامنے خندق ہے، کنواں ہے یا دیوار ہے! یوں آنے سے کیا فائدہ؟ اپنے نفس کو اپنا رہنما بناؤ۔ وہ تمھارا خدا ہے ــــ میری بستر کی آرائشوں کے مالک بنو، میرے پوڈر سے ڈھکے ہوئے رخساروں سے اپنے ہونٹ سفید کرلو، میرے عطر میں بسے ہوئے جسم سے اپنا لباس معطر کرلو، میری بنائی ہوئی پلکوں اور آنکھوں کے ڈوروں کی شان میں قصیدے پڑھو۔ ایک شب، دو شب، ہزار شب، جتنا روپیہ صرف کرسکو، میرے مہمان رہو، پھر جب تھک جاؤ تو گھر جاکر کسی شریف خاندان میں کسی نیک بخت لڑکی کو اپنا شریک زندگی اور اپنے آنے والے بچّوں کی ماں بنالو! ــــ اور پھر سیدھے حج کرنے چلے جاؤ! اس قلابازی کے بعد تم سے زیادہ سچّا مسلمان اور تم سے زیادہ نیک نہاد "شریف"، کون ہوسکے گا!

جب آؤ، تو مجھے خط لکھ دینا تاکہ تمھارے لیے اپنی چند راتیں محفوظ رکھوں۔

اکتیسواں خط

یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا تم نے اپنا پورا خط اُردو کے کسی رسالہ سے نقل کیا ہے! یہ اُردو کے رسالے بھی عشق کے بہت مقوی معجون فروخت کرتے ہیں!!

آتش فشاں پہاڑ، آتش فشانی کے بعد کس قدر سرد اور مردہ ہو جاتا ہے، گویا کبھی اُس کے دہانے سے آگ کے شعلے اور دھواں نکلا ہی نہ تھا! جو کچھ غلطی مجھ سے ہوئی تھی، اُس کے بعد میں کچھ ایسی سرد پڑ گئی ہوں کہ اب تمھارے عاشقانہ مکاتیب میرے اندر کوئی گرمی پیدا نہیں کرتے! الفاظ کی لذت سے بھی محروم ہوں! خدا کرے تم بھی محروم ہو جاؤ! یہ بہت بُرا مرض ہے جس کو "ادبیت" کہتے ہیں۔ بیکاری کا یہ مشغلہ عذاب جان ہوتا ہے۔ تصور کی دنیا معشوقوں اور محبوبوں سے بھر دی جاتی ہے۔ اور پھر قلم اور کاغذ اور روشنائی کا وہ اصراف بیجا ــــ معاذاللہ! اور یہ مرض متعدی ہے، لکھنے والا خود مبتلا ہوتا ہے اور پڑھنے والوں کو بھی مبتلا کرتا ہے۔ جس کسی کو دو وقت پیٹ بھر کر روٹی ملے اور اطمینان کے چند لمحے میسر ہوں، وہ اُردو رسائل کی اشاعتوں میں "علامہ فصیح"، "بلیغ الملک"، "ادیب العصر"، "فصیح العصر"

"ادیب شہیر"، "مصور فطرت"، "مصور غم" اور "ناخدائے سخن" کے "ارشادات" و "مقالات" و "ملاحظات" و "رشحات" و "فرمودات" و "حسیات" و "نبیذات" و "تجلیات" و "روحانیات" و "جرعات" و "اشارات" "مرموز" و "ذوق نظر" و "فکر لطیف" و "فسانۂ اشک" و "فلسفۂ شباب" و "نغمہ محبت" و "اعجاز رقم" پڑھ پڑھ کر سر دھنا کرے! یہ "شاہکار" بنجر زمین میں بھی تخم الفت اُگا دیتے ہیں! "فسانۂ اشک" اور "فلسفہ شباب" کے پڑھنے والے لڑکے جوان ہو کر ـــــ بلکہ جوان ہونے سے پہلے ہی! ـــــ ماشاءاللہ سو فی صدی عاشق بن جاتے ہیں۔ وہ تکیہ پر سر رکھ کر خیالات کی دنیا میں حسن وعشق کی تمام تصویریں کھینچ لیتے ہیں۔ پھر اُن کو زندہ حسن کے مینائے لبریز سے ایک جام پینے کی خواہش ہوتی ہے، وہ خواہش بڑھتی ہے اور ہر دفعہ جب بازار کا ایک پھیرا کرتے ہیں تو وہ خواہش قوی تر ہوتی جاتی ہے، بڑھتے بڑھتے ایک جنون بے اختیار پیدا ہوتا ہے۔ اُس جنوں کی آندھی میں لیلیٰ کے عشاق اُڑتے ہوئے آتے ہیں۔ اور لیلیٰ کے بالاخانہ پر درختوں کے سوکھے ہوئے پتوں کی طرح گرتے ہیں! یہ کیا بات ہے کہ مرد عموماً اپنی بیوی کو جذبات عاشقانہ کا مرکز نہیں بنا سکتا؟ اِن جذبات کا رُخ اکثر "باہر کی عورت" کی طرف ہوتا ہے! "ناخدائے سخن" اور "ادیب العصر" جب مضمون لکھنے بیٹھتا ہے تو عموماً ہمارے ہی بالا خانوں سے اپنے

قلمِ اعجاز رقم کے لیے روشنائی لاتا ہے! معلوم ایسا ہوتا ہے کہ "نکاح" جذباتِ شاعرانہ کا قاتل ہے! "نکاح" کے بعد وہ کیف باقی نہیں رہتا، مرد اور عورت کے درمیان تعلقات کی شعریت باقی نہیں رہتی! شاید چوری کا گڑ اسی لیے زیادہ میٹھا ہوتا ہے کہ اُس کا کھانا ممنوع ہے۔ ممانعت شوقِ طلب کی معاون ہے اور جواز اُس کا دشمن! ہماری "ادبیات" میں "احسن الکلام"، وہ ہے جس کا مخاطب پارک میں ٹہلتا ہوا اسٹیج پر ناچتا ہوا یا بازار میں جلوہ فگن کوئی "سروبالا" ہو! مرد کی ہوسناکی کا یہ بہت بڑا راز ہے کہ جب تک وہ عورت کو حاصل نہ کرلے، مانگتا رہتا ہے اور جب حاصل کرلے تو اُس کا ذوقِ طلب بہت سُست اور اکثر فنا ہو جاتا ہے۔ ایک منزل پر پہنچ کر پھر وہ جب تک دوسری منزل کا تخیل پیدا نہ کرلے، جذبات اُس کے اندر سوتے رہتے ہیں اور "جرعات" و "تجلیات" و "پندات" و "شبابیات" کے وسیع میدان میں سرکار نہیں آتے! یہ "شاہکار" لکھنے والے اپنے تخیل میں جو "تصویر لطیف" پیدا کرتے ہیں وہ درحقیقت مجھ ہی جیسی کسی لیلیٰ کے عارضِ انور کا ایک عکس ہوتا ہے ــــــ کبھی مجھ سے ذرا بلند کسی دوشیزہ کا اور کبھی میری سطح سے بھی نیچے کسی عشوہ فروش کا! مگر گھر کے میلے کپڑوں، کھسٹے بالوں والی ماں کا اِس دنیائے تخیل میں بہت کم حصّہ ہوتا ہے! ہوتا ہی نہیں!

بیوی معشوق نہیں بن سکتی ـــــ ممکن ہے وہ کسی حد تک محبوب ہو! مگر اُس کے رُخسار کے پرتو سے "شاہکار" نمو نہیں پاتے! "ادب لطیف" پیدا نہیں ہوتا! تم تعلیم یافتہ اور مہذب نوجوان کہے جاتے ہو، ذرا انصاف سے کہو، میں غلط کہہ رہی ہوں۔ تمھارے وجود کی "شعریت" کا دامن احباب کی محفل عیش، رسائل کے "ادب لطیف" اور بازاروں کی رونق کے ساتھ بندھا ہوتا ہے ـــــ گھر کی چاردیواری میں اُس کا نشان بھی نہیں ملتا! یہ جو "علامہ فصیح" اپنے بے مثل زور قلم سے دنیا کے ذوق ادب کو نوازتے ہیں، ان کے تخیل کو ہمارے ہی رُخسار جلا بخشتے ہیں، ان کی شاعرانہ زندگی کی ضامن ہماری ہی نرگس بیمار ہے ـــــ ہمارا ہی پیام ان کے "رشحات قلم" کے ذریعہ سے حُسن پرست دنیا کو دیا جاتا ہے! اُن عصمت فروشوں کی خاموش دعوت، جو سرِ شام بجلی کے قمقمے اپنے چہرہ کے سامنے روشن کرکے اپنے حُسن کو مشتہر کرتی ہیں، "ادیب العصر" کے سحر کار قلم میں ایک پُرشور نوائے عشق بن جاتی ہے! ہم تو کبھی آنکھ کے اشارے سے کبھی ابرو کی ایک خفیف حرکت سے، کبھی تبسم زیرِ لب سے اپنی محفل آباد کر لیتے ہیں، مگر تمھارا یہ "ترجمانِ حقیقت" ایک عاشق غوغائی ہوتا ہے جو گویا دونوں ہاتھ گھما گھما کر اپنا سینہ کوٹ کوٹ کر چلاتا ہے اور بلاتا ہے:ـــ "نوجوانو چلو! عشق کا بازار کھلا ہے!

حسن کی دوکان لگی ہوئی ہے!"

میں بدگمانی نہیں کرتی، مگر ان شاہکار کے لکھنے والوں میں کتنے ایسے ہیں جنھوں نے ہماری محفلوں میں "رقّت قلب" حاصل نہ کی ہو! مجھے کچھ شکایت نہیں، میں تو خوش ہوں کہ عشق کے جراثیم اِن شاہکاروں کی پچکاریوں کے ذریعہ سے ہر طرف پھیلائے جاتے ہیں اور اس طرح خود مرد ہم کو ہمارے انتقام میں مدد دیتے ہیں۔ مزا بھی انتقام کا جب ہی ہے کہ تمھاری ہی کمر سے تلواریں کھول کر تمھاری گردنیں کاٹی جائیں! تمھارے ہی دانت توڑ کر تمھارے جسم میں پیوست کیے جائیں! تمھارے ہی ڈنک کا زہر تمھارے خون میں پہنچایا جائے!! لکھو! جس قدر "شاہکار" لکھ سکو! لکھے جاؤ!!

بتیسواں خط

مبارک ہو! آپ پھر وادیٔ عشق میں تشریف لے آئے، پھر مری راہ کے کانٹے آپ کے پاؤں کا انتظار کر رہے ہیں! پھر کچھ عرصہ، عاشقانہ مکتوب نویسی کا اچھا شغل رہے گا! میں نے تو آپ کو منع نہیں کیا، آئیے! جب آپ کا جی چاہے! غریب خانہ

مع اہل خانہ کے حاضر ہے! "نکاح" کے پیام کے سوا آپ عشق و
الفت کا جو پیام بھی لے کر آئیں میرے سر آنکھوں پر! میرے بوسے
آپ کے سفر کی تکان دور کریں گے!!

تینتیسواں خط

آج سے کم و بیش ایک سال پہلے، میں نے تم کو ایک آخری
خط لکھا تھا ـــــ آخری سمجھ کر لکھا تھا ـــــ گو اب معلوم ہوتا ہے
کہ وہ آخری نہ تھا ـــــ ابھی بہت سے خط لکھے جائیں گے! اُس خط
کے لکھنے کے چند ہی ساعت بعد میں تمہارے شہر سے رخصت ہو گئی
تھی ـــــ ایک پھیری والے سوداگر کی طرح جو صبح کو سڑک کے
کنارے ایک رومال بچھا کر اپنی دوکان لگاتا ہے اور شام کو اُسی
رومال میں اپنی دوکان کا سارا سامان باندھ کر روانہ ہو جاتا ہے،
میں تمہارے شہر سے اپنی دوکان اُٹھا کر نئے شہر میں لائی، اس
لیے کہ تم میری ساری دوکان لوٹنے کی فکر میں تھے! بھاگی، اور
یہ سمجھ کر بھاگی کہ تمہارے میرے درمیان جس قدر فاصلہ زیادہ
ہوگا میں اپنی شکست کو بھول جاؤں گی اور تم اپنے عشق کو! وہ
وقت جب میں بھاگی ہوں ایسا تھا کہ میرے ساز کے تاروں پر

مضراب رکھی ہوئی تھی اور ایک آخری نغمہ میرے تاروں سے نکلا ہی چاہتا تھا، پہلے اس سے کہ مضراب حرکت کرسکے میں اپنا ساز بغل میں دبا کر بھاگی۔ اپنے اُس بھاگنے پر ہنسی بھی آتی ہے اور ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں پھر کسی دن، وہ میری شکست دوہرائی نہ جائے ــــــ اور یہاں سے بھی بھاگنا نہ پڑے! مگر اب میرے قلعہ کے استحکامات زیادہ مضبوط ہیں، میرا ساز مضراب سے بہت دور ہے! تم مجھے ڈھونڈھتے ہوئے آئے ہو تو آؤ! پرسوں شب جب تم میرے مہمان رہے تو تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ اس ساز کے تاروں کی راگنی کس قدر بدل گئی ہے! اس ویرانہ میں تم نے ایک دیوار بھی سالم نہ پائی ہوگی! ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ سب کچھ دیکھ کر تم مجھ سے رخصت ہوجاتے، لیکن اگر پھر بھی تم چند روز میرے پاس گذارنا چاہتے ہو، تو مجھے عذر نہیں۔ میری طرف سے ”التفات معشوقانہ“ کے علاوہ کچھ پُرانا فلسفہ بھی سننا پڑے گا! اگر تم اپنا وقت ضایع ہی کرنا چاہتے ہو تو میں کیونکر تم کو روک سکتی ہوں۔

جب سے یہاں آئی ہوں، نکاح کے چند پیام آچکے ہیں۔ میں سب امیدواروں کو ایک ہی جواب دیتی ہوں:- ”میرا جوڑا ازل میں پیدا ہی نہیں کیا گیا!“ مگر میرا یہ جواب کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ مرد اپنے فلسفۂ نفس کے مقابلہ میں کسی دوسرے

فلسفہ کو نہیں سمجھ سکتا۔ اُس کے ایک وجود معنوی میں درحقیقت تین مختلف وجود مستور ہوتے ہیں ـــــ ایک ہی لفافہ میں تین تصویریں ہوتی ہیں :- (۱) اصلی، یعنی جیسی درحقیقت اُس کی فطرت ہے (۲) جیسا وہ سمجھتا ہے کہ وہ ہے اور (۳) جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اُس کو سمجھیں۔ پہلی تصویر تو ہمیشہ پوشیدہ رہتی ہے، دوسری تصویر کی جھلک مرد کے اعمال وافعال میں کبھی کبھی نظر آجاتی ہے، اور تیسری ہمیشہ نظروں کے سامنے رہتی ہے۔ تمھاری پہلی تصویر میں نے ابتک نہیں دیکھی ـــــ کچھ وہم و گمان ہے کہ شاید ایسی ہوگی، البتہ دوسری اور تیسری تصویر خوب دیکھ چکی ہوں۔ اپنے کو تم جیسا سمجھتے ہو، خوب جانتی ہوں اور جیسا چاہتے ہو کہ دنیا سمجھے، اُس سے بھی خوب واقف ہوں!! اپنے عشق کی وارفتگی میں تم یہ دونوں تصویریں لفافہ کے باہر نکال چکے ہو، تمھاری بیوی بن کر بھی اِس سے زیادہ میں کچھ نہ دیکھ سکوں گی! محبت کی کسوٹی پر بھی مرد کی حقیقت بمشکل ظاہر ہوتی ہے۔ مگر عورت بدنصیب اگر مبتلا ہو جائے تو اُس کا وجود معنوی ایک لمحہ کے اندر عریاں ہو جاتا ہے۔ میں مانتی ہوں کہ مرد کی طرح عورتیں بھی اکثر اپنی حقیقت کو مستور رکھ سکتی ہیں اور رکھتی ہیں۔ بلکہ عام حالات میں مرد سے زیادہ اِس رازداری پر قادر ہوتی ہیں، لیکن مرد عورت سے اس لیے بازی

لے جاتا ہے کہ وہ عشق کے ہجوم میں بھی اپنا راز محفوظ رکھ سکتا ہے اور عورت یہ نہیں کر سکتی، وہ محبت کی حالت میں اپنے وجود معنوی کے تمام پردے نوچ کر پھینک دیتی ہے، مگر مرد کی حالت یہ ہے کہ وہ جس کو اپنا شریک زندگی بناتا ہے، معشوق بناتا ہے، محبوب بناتا ہے، وہ عورت بھی اکثر اس کی اصلی تصویر کو نہیں دیکھ سکتی جو کبھی لفافہ کے باہر نہیں آتی! تم شاید سمجھتے ہو کہ اتنے عرصہ کی راہ و رسم محبت کے بعد میں تم کو اچھی طرح پہچان گئی ہوں، میں جانتی ہوں کہ میں اگر یہ دعویٰ کروں تو غلط ہو گا۔ البتہ اس قدر جانتی ہوں کہ تم فی الحال مجھ سے محبت کرتے ہو۔ مگر یہ کہ محبت کے طوفانی سمندر کی تہ میں کیا ہے، اس جنت کے اندر جس کا دروازہ تم میرے لیے کھولنا چاہتے ہو، مجھے کیا ملے گا؟ یہ مجھے معلوم نہیں! وہ ایک معمہ ہے! مشکل یہ ہے کہ میں جس قدر تمھاری خوبیوں سے واقف ہوں اسی قدر یہ حقیقت بھی مجھ پر واضح ہے کہ مرد ہر حال میں، حتیٰ کہ محبت میں بھی جھوٹ بولتا ہے۔ دھوکہ دیتا ہے، مکر کرتا ہے۔ اس کی یہ عجیب فطرت ہے وہ سچے دل سے محبت کرتا ہے اور دھوکے بھی دیتا ہے۔ خاک و باد و آب و آتش کے علاوہ ایک عنصر مکر بھی ہے جو اس خاک کے پتلے کی رگ رگ میں موجود ہے! وہ جھوٹ بولتا ہے اور مکر کرتا ہے، اس طرح جیسے روٹی کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے! جب

سچے دل سے محبت کرتا ہے اور قسمیں کھا کھا کر کہتا ہے : "اے محبوب! میں تجھ بغیر ایک دن زندہ نہیں رہ سکتا" تو وہ خوب جانتا ہے کہ اُس کا یہ بیان غلط ہے۔ وہ ہر شام کو کہے گا کہ میں صبح تک زندہ نہیں رہ سکتا اور پھر ہر صبح کو بخیر و عافیت اپنے بستر سے اُٹھے گا، پھر شام کو بغیر شرمائے وہی بات کہے گا! اور حقیقت یہ ہے کہ مرد جس قدر زیادہ بکتا ہے اُسی قدر اُس کے بیان میں مبالغہ کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ عورت محبت میں بھی، بہت کم زبان کھولتی ہے اور اسی لیے بہت کم جھوٹ بول سکتی ہے۔ وہ اتنا بکتی ہی نہیں کہ زیادہ جھوٹ بول سکے! تم شاید کہوگے کہ جذبات کی شدت زبان و قلم کو بے اختیار کر دیتی ہے اور اسی لیے مرد اپنے بیانِ عشق میں مبالغہ کرتا ہے، یہ فروگذاشت قابلِ گرفت نہیں، لیکن جذبات کی شدت میں ایک انسان دوسرے انسان کو قتل بھی تو کر دیتا ہے، کیا وہ جرم بھی قابلِ گرفت نہیں؟ جذبات کا میں بھی احترام کرتی ہوں اور جو لوگ انسان کی زندگی میں جذبات پر معترض ہوتے ہیں میں اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہوں، وہ جانتے ہی نہیں کہ زندگی ہے کیا۔ جذبات کے بغیر لوہے کی مشین اور انسان میں فرق ہی کیا رہا۔ سمندر کیا ہے اگر اُس میں موجیں نہ ہوں، آگ کیا ہے اگر اُس میں شعلہ نہ ہو، سمندر کی عزت اُس کی موجوں سے اور آگ کا وقار اُس کے شعلوں سے قائم ہے۔

خشک فلسفی اور بے مغز حکیم، سمندر کے سوکھے ہوئے جھاگ اور لکڑی کے جلے ہوئے کوئلے ہیں۔ اگر وہ جذبات سے محروم ہیں! ماں اور باپ جذبات سے خالی ہوں تو اولاد کیونکر پرورش پائے۔ مرد اور عورت ایک دوسرے کے متعلق جذبۂ شوق سے عاری ہوں تو یہ آبادی ویرانہ ہو جائے! مگر آگ اور سمندر کی طاقت کا مبالغہ بھی تباہی لاتا ہے۔ طوفان حد سے گذر جائے اور آگ قابو سے باہر ہو جائے تو پھر دنیا میں قیامت آجاتی ہے۔ اعتدال سے گذر کر تریاق بھی زہر ہو سکتا ہے، تم اپنے جذبات کے ظاہر کرنے میں جو مبالغہ کرتے ہو اُس سے میں نے کبھی دھوکہ نہیں کھایا۔ تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ تمھارے جذبات کی شدت نے مجھے ایک لمحہ کے لیے متاثر کر دیا تھا تو اِس وہم کو اپنے دل سے نکال دو۔ عورت مرد کے جذبات سے دھوکہ تو کھا جاتی ہے۔ مگر فی الحقیقت مرعوب نہیں ہوتی ہاں! اُس کے دل میں بھی کوئی چنگاری روشن ہو جائے تب وہ البتہ آنکھیں بند کر کے دھوکے کھاتی ہے ـــــ دھوکے کھاتے کھاتے مر جاتی ہے!! محض اپنے یک طرفہ جذبات کے مظاہرے سے تم عورت کو فتح نہیں کر سکتے۔ مرد اور عورت کے اس معاملہ میں دنیا کی کسی طاقت کو دخل نہیں ہے۔ یہ معاملہ، حکومت اور قانون اور مذہب سب سے بالاتر، بلند اور آزاد ہے! مگر مرد پر ملکیت اور قبضہ کا جذبہ، اس قدر حاوی ہوتا ہے کہ وہ میدانِ عشق میں بھی

حاکمانہ اور فاتحانہ شان سے آتا ہے۔ وہ جب عاشق ہوتا ہے تو اندھا ہوتا ہے!

اب پھر تم میری زد میں آئے ہو تو یوں ہی روز میرے ملفوظات سننے کے لیے تیار رہو!

چونتیسواں خط

پچھلے خط میں لکھ چکی ہوں کہ مرد اور عورت کی فطری محبت حکومت اور قانون اور مذہب سے بالکل آزاد ہے۔ اور اب پھر کہتی ہوں کہ وہ آزاد ہے اور ہمیشہ آزاد رہے گی۔ مذہب کے تعصبات اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے۔ تم کیوں اس بحث میں مذہب کو لے دوڑے؟ مسلمانوں کا مذہب ہزار پانسو برس پہلے کچھ ہو تو ہو۔ اب تو یہ ایک چھتری ہے۔ جس کو مذہب کا نام لینے والے اپنی ضرورتوں کے لیے استعمال کرتے ہیں! دھوپ اور بارش میں یہ چھتری عمامہ و قبا کو خراب ہونے سے بچاتی ہے، بازار کے کتوں کو ڈرانے کے لیے اُس سے عصا کا کام لیا جاتا ہے، موسم اچھا ہو اور اُس کی ضرورت نہ ہو تو وہ گھر کے کسی کونے میں پڑی رہتی ہے! ہر شخص کو حق نہیں کہ اُس چھتری کو استعمال کرے۔

مذہب کے ٹھیکہ دار ہی صرف اُس کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اُن کی شریعت کے مسائل بھی چھتری کی طرح پھیلتے اور بند ہوتے ہیں۔ ضرورت کے وقت شرعی مسائل کی تاویل و توجیہ بالکل اسی طرح کی جاتی ہے۔ جس طرح وکلا قانون میں بال کی کھال نکالتے ہیں! جب شریعت کا کوئی حکم حالات اور خواہشات کے خلاف ہو تو اُس کو بھُلا بھی دیا جا سکتا ہے، توڑ مروڑ کر اُس کی صورت بھی بگاڑی جا سکتی ہے۔ جب کوئی ذاتی ضرورت پوری کرنی ہو تو کسی نہ کسی کتاب میں کوئی مفید مطلب روایت نکل آتی ہے کوئی ضعیف حدیث مل جاتی ہے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ "یوں بھی لکھا ہے!" دُور کیوں جاؤ اپنی ہی حالت دیکھ لو۔ آج تم ایک بیسوا کو اپنے گھر میں بیوی بنا کر لانا چاہتے ہو تو خدا اور رسولؐ کے احکام بیان کرتے ہو اور ثابت کرتے ہو کہ میرے لیے نکاح کرنا گناہ کی زندگی کا ترک کر دینا کس قدر ضروری اور لازمی ہے، مگر کل جب تم میری عصمت فروشی کی دوکان پر دن رات سودا خریدتے تھے تو، زنا کی حرمت کی تم کو گویا خبر ہی نہ تھی! یہ کچھ تمھارا ہی حال نہیں، تمھارے جو بڑے ہیں، حضرت مولانا، شاہ صاحب قبلہ، مفتی صاحب مدظلہ، وہ جن کے ہاتھ میں شریعت کی رسّی ربڑ کی طرح بڑھتی اور سُکڑتی ہے اُن کا بھی یہی حال ہے! مُنھ کے جھاگ اور گلے کے پھولی ہوئی رگوں کے ساتھ جب "ملعون و مردود" کی کڑک سے مدرسہ اور

مسجد کی محرابیں گونجتی ہیں، جب منبر اور مصلّے پر بیٹھ کر خدا کی مخلوق کافر اور ملحد بنائی جاتی ہے، جب دنیا کو "صغیرہ" اور "کبیرہ" کے متعلق احکام سُنائے جاتے ہیں، اُس وقت اِن "قبلہ" کو خود اپنے متعلق "صغیرہ" اور "کبیرہ" کا ذرا بھی خیال نہیں آتا، یہ نہیں کہتی کہ سب کی یہی حالت ہے، مگر اِس تالاب میں بہت سی مچھلیاں گندی ہیں! بہت سے صغیرہ اور کبیرہ تو ایسے ہیں کہ مذہب کے لباس میں جواز کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً جو شخص محض اپنی نفس پرستی کی خاطر تین تین چار چار بیویاں گھر میں رکھے کیا وہ اُسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا جس گناہ کے تم میرے گھر آکر مرتکب ہوتے ہو؟ فرق ہے تو صرف اتنا ہی کہ ازدواج اور نکاح کے پردہ میں جو جابرانہ عیاشی کی جاتی ہے اُس کا گناہ یک طرفہ ہوتا ہے، مرد ہی گناہگار ہوتا ہے اور عورت بے گناہ اور مظلوم ہوتی ہے، مگر تمھاری میری عیاشی ہم دونوں کا مشترکہ گناہ ہے۔ درحقیقت، جیسا کہ بارہا کہہ چکی ہوں، بڑا سوال ذہنیت کا ہے، مرد کی زندگی کی بساط پر عورت بیچاری تو ہزاروں مُہروں میں سے محض ایک مُہرہ ہے، مرد خود اُس بساط کا بادشاہ ہے، اُس پر شہ پڑ سکتی ہے، کبھی کبھی زچ بھی کیا جا سکتا ہے، مگر قتل نہیں ہو سکتا، بساط سے اُٹھایا نہیں جا سکتا —— اور سب مُہرے اٹھائے جا سکتے ہیں، —— مرد اپنی شاہانہ قوت اور عظمت کے ساتھ عورت کو فتح کرتا ہے۔ کبھی دولت کے زور سے اور کبھی مذہب کے

پردے میں ـــــ اور جہاں اور جب ضرورت ہوتی ہے اپنی شکست کو بھی مذہب کے سہارے سے فتح بنا لیتا ہے!

تو، عزیز دوست، مذہب کا تو ذکر ہی چھوڑو، اُس کے علاوہ ہر نقطۂ نظر سے میرے اور اپنے تعلقات پر غور کرو۔ تمھیں سمجھا چکی ہوں اور اب پھر سمجھاتی ہوں کہ اگر میں تم سے نکاح کرنے پر آمادہ بھی ہو جاؤں تو تمھاری تمدنی اور معاشرتی زندگی کو تباہ کردوں گی۔ تم شاید ساری دنیا کا میری خاطر مقابلہ کر لو مگر جب مذہب کے دیوتاؤں کی خوفناک آنکھیں دیکھو گے تو دم بخود رہ جاؤ گے! ہم لوگوں کے دلوں میں بچپن سے مذہب کا خوف ـــــ خوف، محبت نہیں، ـــــ کچھ اس طرح پیدا کر دیا جاتا ہے کہ ہماری شخصیت اور قوت ارادی بالکل فنا ہو جاتی ہے۔ ہم اپنی ہر سانس کو مذہب کی ترازو میں تولتے ہیں اور ہر قدم پر ایک دیوتا کو سجدے کرتے ہیں۔ یوں ہی عمر گذر جاتی ہے۔ زندگی کی فروعات بھی مذہب کے اندر داخل کرلی گئیں تاکہ ہمارے ارادے اور فہم کی گردن میں ایسا پھندا پڑا رہے کہ ہم فرعون کے غلاموں کی طرح عمر بھر پتھر ڈھوتے رہیں اور کوڑوں سے پٹتے رہیں!! اگر ہم دہنے نتھنے کے بجائے بائیں نتھنے سے سانس لیں تو اُس کی سزا ۷۰ ہزار برس تک جہنم کا عذاب ہے! اگر دہنے پاؤں کے بجائے بایاں پاؤں اُٹھائیں تو ہمارے لیے ۹۰ ہزار برس

دوزخ کی آگ میں جلنا لازمی ہے! اگر پانی ناک پکڑ کر نہ پئیں تو عاقبت میں آتشیں تازیانے ہماری کمر پر پڑیں! کروٹ لیں تو اس طرح ناک صاف کریں تو یوں، لقمہ منھ میں رکھیں تو اس طریقہ سے اور بستر پر آرام کریں تو اِس پہلو ——— غرض کہ ہر سانس کے ساتھ قانون کی ایک دفعہ موجود ہے ——— سزا اور انجام کی تمام تفصیلات کے ساتھ! اِن مذہبی عدالتوں میں جہاں پاجاموں کی لمبائی، ڈاڑھیوں کا طول اور مونچھوں کا وزن، ناپا اور تولا جاتا ہے۔ انسانی دماغ کا میدان عمل ہر طرف محدود ہے اور انسانوں کی شخصیت مفلوج! ہمارا کھانا، پینا، رونا، ہنسنا، سونا، جاگنا، چلنا اور دوڑنا سب مذہب کے اجارہ داروں کی مرضی پر منحصر ہے! ہماری قوت امتیازی معطل ہے! مذہب کے اُصولوں کو چھوڑ کر، دنیا فروع کی اُلجھنوں میں پھانس دی گئی ہے، غضب تو یہ ہے کہ اُصول توڑے جاتے ہیں اور فروع کی پابندی پر نجات کا انحصار کیا جاتا ہے! محبّت، اخوت، انسانیت اور عصبیت اس کا تو ذکر نہیں، لیکن جھگڑا یہ ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے یا زور سے! اسی طرح عورت کی زندگی مرد کے جابرانہ قبضہ میں دے دی گئی۔ واعظ صاحب جب تخت پر تشریف رکھتے ہیں اور مذہب کے مسائل بیان فرماتے ہیں تو خطابت اور "بیان" کا سارا زور اس مسئلہ پر صرف ہوتا ہے کہ بیوی کو

خاوند کی اطاعت کس طرح کرنی چاہیے اور مردوں پر عورتوں کے کیا کیا حقوق عائد ہوتے ہیں، اس کا تو کوئی ذکر ان مواعظ حسنہ میں نہیں آتا! ——— ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی! ہمارے لیے تو دنیا میں صرف ایک مٹھی گیہوں اور آدھ گز کپڑا ہے جو مرد ہم کو عطا کرتا ہے۔ ہماری زندگی کا قانون بھی وہی بناتا ہے اور مذہب کے قانون کے معنی بھی وہی ہم کو سمجھاتا ہے۔ کبھی کسی ضیافت اور ولیمہ کے لیے مرغیوں اور تیتروں اور بٹیروں کو ذبح ہوتے دیکھا ہے! وہ کس طرح پالے جاتے ہیں، کس طرح کھلا پلا کر موٹے اور تندرست بنائے جاتے ہیں، پھر دعوت کے دن اُن کا آقا یہ فیصلہ کرتا ہے کہ تیتر کا پلاؤ پکایا جائے اور مرغی کا قورمہ! ——— یا یہ کہ کس نسخہ کے مطابق اِن تیتروں اور بٹیروں کے گوشت سے آقا کے جسم کو طاقت بخشنے والا ماءُاللحم تیار کرایا جائے۔ اس معاملہ میں کہ اُس کا ماءُاللحم تیار کرایا جائیگا یا قورمہ پکوایا جائے گا، کسی تیتر یا بٹیر کو رائے دینے کا حق حاصل نہیں! بچپن میں اکثر گردن کٹی ہوئی مرغیوں کو تڑپتے دیکھا، مگر اب نہیں دیکھ سکتی دیکھتی ہوں تو بےحال ہو جاتی ہوں ——— ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ مرغ بسمل میں ہی ہوں!! ——— قصّہ مختصر تم راعی ہو ہم رعایا ہیں، تم مالک ہو ہم تمھارے غلام ہیں! اپنے بنائے ہوئے قانون کے معنے جو تمھارا جی چاہے

ہم کو سمجھا دو! تم نے پردہ کو ہماری عصمت کا محافظ بنایا، گویا کہ عورت اس قدر بد اصل ہے کہ اگر پردہ کے اندر بند نہ رہے تو اُس کی عصمت محفوظ نہیں رہ سکتی ــــ یہ وہی مالکانہ تخیل ہے کہ چڑیا اُڑ جائیگی اگر پنجرے میں بند نہ ہوئی! ــــ جب کوئی مرد کہتا ہے کہ اخلاقی حیثیت سے پردہ ضروری ہے تو اُس کے صاف یہ معنی ہوتے ہیں کہ عورت کی اخلاقی حالت اُس کی نگرانی کی محتاج ہے۔ مگر میں کہتی ہوں عورت سے زیادہ مرد کو پردہ میں بٹھانے کی ضرورت ہے۔ اگر پردہ لازمی ہو تو مرد کے لیے ہونا چاہیے۔ نظر بند اُس ڈاکو کو کیا جائے جو ڈاکہ ڈالتا ہے۔ نہ اُس غریب کو جس کے گھر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے! عورت تو بے پردگی میں بھی اپنی عصمت کی حفاظت کر سکتی ہے۔ لیکن مرد اُس کو صرف اس لیے پردہ میں بند رکھتا ہے کہ خود مرد کے گناہوں پر پردہ پڑا رہے۔ جابر حکومتیں اپنے مظلوموں کی آواز بند رکھنے کے لیے نظر بندی، زبان بندی، اور قید کی ہزاروں صورتیں پیدا کر لیتی ہیں تاکہ مظلوم کی آواز قید خانوں کی دیواروں کے باہر نہ جا سکے! مرد کی تمام ذہنی تربیت یہی ہے کہ ہر کام خوف اور دھمکی سے انجام دیا جائے۔ اُس کے مذہب کا سب سے بڑا عنصر خوف ہے ــــ اور لالچ! سزا کا خوف اور انعام کی توقع! اچھا کام اس لیے نہیں کیا جاتا کہ وہ اچھا ہے بلکہ اس لیے کہ نہ کرنے میں سزا کا اندیشہ اور کرنے میں انعام کی

امید ہے!! جس اخلاقِ انسانی کی بنیاد سزا کا خوف ہو، وہ ایک کاغذ کی قندیل ہے، جس کا کاغذ خوبصورت ہے مگر چراغ روشن نہیں!

یہ نہ سمجھنا کہ میرے دل میں مذہب کا احترام نہیں ہے، مگر میرا تخیل مذہب کے متعلق کچھ اور ہے۔ میرے نزدیک جو کام محض جنّت کی اُمید پر کیا جائے وہ محض دھوکہ ہے اور جو جرم محض دوزخ کے ڈر سے نہ کیا جائے وہ فریب ہے، گناہگار اگر ۷۰ ہزار برس دوزخ میں جلائے جانے کے ڈر سے گناہ نہ کرے، تو بھی اُس کی گناہگاری کم نہیں ہوتی۔ اُس کا دل و دماغ بدستور گناہگار رہتا ہے، البتہ دوسرے لوگ اُس کے گناہ کی زد سے بچ جاتے ہیں۔ مگر خود اُس کے لیے نجات کا کوئی راستہ پیدا نہیں ہوتا!! نیک کردار اگر محض جنت کے لالچ میں نیکیاں کرے تو اُس کی نیکیاں بھی بے قیمت ہیں، یہ نیکیاں ایسی ہیں جیسے اُس بھوکے کا خواب جو سوتے ہوئے ایک بھرے ہوئے دسترخوان پہ کھانا کھاتا ہے اور پھر بھی صبح اُٹھ کر بھوکا ہی رہتا ہے! عمل کتنا ہی نیک ہو، نفس نیک نہیں تو پاکبازی کا دعویٰ غلط ہے! مرد کی ذہنیّت کا اندازہ اس نکتہ سے کرلو کہ اُس نے اپنے تخیل میں جو جنّت بنائی وہ یکسر ایسی نعمتوں سے بھر دی گئی جو مرد کو مرغوب ہیں۔ عورت کا حقیر وجود

جنّت میں بھی بس اتنا ہے کہ وہ حوریں بن کر ساکنانِ فردوسِ بریں کی خدمت کریں !!

میں اِس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتی اور نہ تم سے اور تمھارے ہم خیال لوگوں سے اِس مسئلہ میں اُلجھنا چاہتی ہوں لامذہب میں بھی نہیں ہوں، مگر میرا مذہبی تخیل تمھارے تخیل سے کوسوں دُور ہے۔ مذہب کا تخیل میرے دماغ میں وہ نہیں ہے جو "مولانا" اور "مرشد" تمھیں سمجھاتے ہیں ــــــ

ایسی بیوی کے ساتھ جس کم بخت کے یہ خیالات ہوں، تمھاری زندگی کیونکر گذرے گی ؟

پینتیسواں خط

کئی دن سے کہاں ہو ؟ نہ تمھارا کوئی خط آیا نہ تم خود آئے۔ کیا اچھا ہو کہ تمھاری یہ بے رُخی اِس امر کی علامت ثابت ہو کہ عشق کا پارہ اب گرنے لگا ہے ! بہرحال تمھاری خیریت معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ اس لیے زیادہ فکر ہے کہ تم کئی دن سے مضمحل تھے۔ ایسا تو نہیں کہ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہو ؟

چھتیسواں خط

مجھے خبر بھی نہ کی، اتنے بیمار ہو کہ اپنے قلم سے دو حرف نہیں
لکھ سکتے۔ پھر اس تنہائی اور غریب الوطنی میں کیا میں بھی تمھاری
تیمار دار نہیں بن سکتی؟ تم سے وہ محبّت نہ بھی کر سکوں جس کی
تم مجھ سے خواہش رکھتے ہو تب بھی بہر حال میں تمھاری دوست،
اور خیر طلب تو ضرور ہوں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بستر علالت پر میں
تمھیں تنہا چھوڑ دوں، تم آج تک اتنا نہ سمجھے کہ بہر حال میرے
دل میں تمھاری جگہ ہے اور میرا دل وہ نہیں ہے جو دُکھ نہ سکتا ہو۔
صحیح کہ میں ایک عصمت فروش اور ناموس باختہ عورت ہوں
مگر یہ تو شاید تم بھی جانتے ہو کہ انسانیت سے محروم نہیں ہوں۔
یہ معلوم کر کے کہ تم کئی دن سے سخت بیمار ہو اور تم نے مجھے خبر
بھی نہیں کی، میرے گناہگار دل کو ایک ٹھیس لگی۔ جو عورت
بیوی بنائی جا سکتی ہو وہ بیوی بنائے جانے سے پہلے کیا تیمار دار
بنائے جانے کے قابل بھی نہیں سمجھی جا سکتی؟ جو عورت بازاری
معشوق بن کر ہر وقت تم کو اپنا نیاز مند بنائے رکھتی ہو کیا تمھارے
خیال میں اُس کا دل نیاز سے بالکل خالی ہے؟ وہ ناز ہی جانتی
ہے، نیاز نہیں جانتی؟ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ عیش میں تم میرے

نیاز مند ہو تو تکلیف کی حالت میں میں تمھاری نیاز مند بن سکوں؟
مجھے اجازت دو کہ جب تک تم صحتیاب نہ ہو جاؤ میں اپنا فرض
انجام دوں —— وہ فرض جو صرف عورت کا فرض ہے! بے شبہ
میں اپنی جنسیت کو اپنے پیشہ پر قربان کر چکی ہوں، تاہم سطح کے نیچے
ہنوز ایک عورت زندہ ہے! جو تھکے ہوئے مسافروں کی راحت،
زخموں کا مرہم، زندگی کے اندھیرے میں روشنی کی ایک شعاع بن سکتی
ہے۔ مرد تو شاید حیوانیت کے طوفان میں اپنی جنسیت بھی فنا کر دیتے
ہوں، مگر عورت کسی حال میں اپنی فطرت سے بیگانہ نہیں ہوتی ——
بظاہر اوس کی جنسیت کتنی ہی فنا کیوں نہ ہو جائے! میں تمھاری روح
کی سیوا نہ کر سکی، اُس کا فنا کر دینا میرے پیشہ کا فرض ہے، مگر میں
تمھارے جسم کی سیوا تو کر سکتی ہوں، یہی میری جنسیت کا تقاضا
ہے۔ عیش کے لمحوں میں میں نے تم کو زہر پلایا لیکن تکلیف کی ساعتوں
میں شہد بھی پیش کر سکتی ہوں!!
جب تک تم وطن نہیں جاتے۔ میں تمھاری تیماردار ہوں!

سینتیسواں خط

یہ چار ہفتے ایسے گذرے کہ گویا میں اس دنیا ہی میں نہ تھی!

تمھارے بستر کے پاس صبح سے شام اور شام سے صبح تک بیٹھے ہوئے میں ہر روز اپنے لیے ایک نئی دنیا بناتی تھی اور بگاڑ ڈالتی تھی! تیمارداری میری زندگی کا ایک نیا تجربہ تھا۔ شکریہ کیسا اور احسان کس کا؟ مجھے اپنی احسان مندی کا اظہار کرکے شرمندہ کرتے ہو۔ اپنی عمر میں آج تک کسی بیمار کی تیمارداری نہیں کی، میرے لیے یہ ایک بالکل نیا کام تھا۔ بہن، بیٹی اور بیوی بن کر عورت کو اپنی فطرت کے مظاہروں کے لیے عمل کا یہ ایک نیا میدان ملتا ہے، میں آج تک نہ کسی کی بہن بنی، نہ بیٹی اور نہ بیوی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ خدمت میں عورت کیا مزا پاتی ہے۔ "ناز" ہی جانتی تھی۔ "نیاز" سمجھتی تھی کہ صرف میرے نیازمندوں کا حصہ ہے! لیکن گذشتہ چار ہفتوں میں میں نے ایک نئے مکتب میں کچھ نئے سبق پڑھے، اپنی بھولی ہوئی انسانیت یاد آگئی —— یاد آگیا کہ میں عصمت فروش ہوں، مگر عورت بھی ہوں! میری روح کے تاروں میں ایک نیا نغمہ پیدا ہوا، جس کی آواز میں نے پہلے کبھی نہ سنی تھی!!

تمھارے بستر کے پاس راتوں کو —— جب تم سوتے ہوتے تھے یا بخار کی حالت میں بے خبر ہوتے تھے —— میں بیٹھے بیٹھے اپنے دل سے گھنٹوں باتیں کرتی تھی۔ وہ کہتا تھا:—

"تو یہ بھی کر سکتی ہے، پگلی! کیا تیری کھوٹ میں کچھ کھرا بھی ہے؟ تو عشاق کے بازوؤں پر گیسو کھول کر سونے والی

ایک بیمار کے بستر پر اس طرح جاگ بھی سکتی ہے ؟ تو رات بھر محفل عیش میں جاگ کر صبح کر دینے والی ، اور پھر دن بھر محو خواب رہنے والی ، تو آدھی رات کے بعد سونے والی اور دو گھڑی دن چڑھے اٹھنے والی ، تو رات بھر بیمار کے سرہانے جاگ کر ، پھر دن بھر ، اور پھر رات بھر ، اور پھر دن بھر جاگے جائے گی ؟ جاگے جائے گی ! تیرے ہاتھ جو حنا سے زیادہ کوئی وزن برداشت کرنا نہیں جانتے ، جو چٹکیاں لینے کے سوا کوئی کام نہیں کر سکتے ، جن کا ایک ایک ناخن کس دردسری کے ساتھ بنایا جاتا ہے ، رنگا جاتا ہے ، سجایا جاتا ہے : کیا وہ ہاتھ دوا بھی تیار کر سکتے ہیں ؟ بیمار کا بستر بھی صاف کر سکتے ہیں ؟ اس کے سر کا سہارا بھی ہو سکتے ہیں ؟ اس کی مکھیاں بھی اڑا سکتے ہیں ؟ لیلی ، تو نے یہ سب کہاں سیکھا ؟ تو جو مرتے ہوئے ، روتے ہوئے عاشقوں کو رات کے اندھیرے میں ٹھکرا کر گھر سے نکال دیتی ہے ، تجھ سے یہ ماماؤں کا کام کیونکر بن آیا ؟ "

گھنٹوں ، میرا دل اس طرح کی باتیں مجھ سے کرتا رہتا تھا اور میں خود حیران ہو ہو کر ، اپنے متعلق ان عجیب انکشافات کو سنتی تھی ۔ میرے لیے زندگی کا یہ بالکل نیا تجربہ تھا ۔ میں جو صبح کو دو گھنٹے اور شام کو تین گھنٹے اپنے چہرہ اور جسم کی آرائش میں

مصروف رہتی ہوں، میں جو دن میں تین تین دفعہ لباس بدلتی ہوں تمہاری بیماری میں پانچ پانچ دن میلے کپڑے پہنے بیٹھی رہتی تھی اور دن دن بھر منہ دھونے کا خیال بھی نہ آتا تھا۔ دنیا میں میرا کوئی چاہنے والا یقین نہیں کر سکتا کہ یہ چار ہفتے میں نے اس طرح کیونکر گذارے ہونگے!

جب عورت کے دل میں اپنی عزّت کا احساس باقی نہیں رہتا، وہ خود اپنے وجود کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتی ہے تو یہی اُس کی موت ہے! وہ اس موت کے بعد دنیا میں زندہ بھی رہے مگر وہ عورت بن کر زندہ نہیں رہتی۔ اور اگر اس حالت میں وہ دفعتاً محسوس کرنے لگے کہ ابھی اُس کے اندر "عورت پن" کچھ نہ کچھ باقی ہے ابھی وہ اتنی ذلیل نہیں ہوئی ہے جتنا کہ وہ سمجھتی تھی، تو گویا وہ پھر ایک دفعہ خواب مرگ سے بیدار ہو رہی ہے! موت میں زندگی کی ایک کروٹ بھی کچھ کم نہیں ہوتی! گذشتہ چار ہفتہ کی تیمارداری کے بعد مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میری زندگی کی ظلمت میں ایک ایسی شعاع پیدا ہوئی ہے جو میرے وہم و گمان سے باہر تھی۔۔۔ گویا میں نے کچھ پالیا، گویا مجھے میری محبّت کا معاوضہ مل گیا!! پھر شکریہ کیسا؟ جو کچھ میں نے کیا وہ میری محبّت کا تقاضا تھا، شکریہ ادا کر کے تم کیوں میری فطرت کی توہین کرتے ہو!

اڑتیسواں خط

جب تم محلوں کا خواب دیکھ رہے ہو اور یکایک تمھارے جھونپڑے میں آگ لگ جائے ———

جب تمھارا تخیل تم کو ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا رہا ہو اور تم دفعتہً اپنے کو بازار کی نالی میں گرا ہوا پاؤ ———

جب تم کو یقین ہو گیا ہو کہ تم بہت مشہور و معروف اہل قلم میں سے ایک ہو، اور تمھارا شمار اہل علم و فضل کی صف میں کیا جا رہا ہے، دنیا تمھارے لکھے ہوئے ایک ایک حرف کو موتیوں اور الماس کے ٹکڑوں کی طرح سمیٹ رہی ہے۔ اور یکایک محلّہ کا بوڑھا چٹھی رساں اڈیٹر نیرنگ خیال کا پوسٹ کارڈ لا کر تم کو دے جس میں لکھا ہو کہ "افسوس ہے آپ کا مرسلہ مضمون اس قابل نہیں کہ چھاپا جائے"! ———

جب تمھارا تصور تم کو ایک بہت بڑے لیڈر قوم کی صورت میں شہرت اور عزت کے ساتویں آسمان پر چڑھا دے، تمھارے گلے میں منوں ہار پڑے ہوں، تمھاری گاڑی کو ہزارہا انسان کھینچ رہے ہوں، تمھارے "سنسنی خیز" خطبۂ صدارت نے تہلکہ مچا دیا ہو، تمھاری ہر سانس کے ساتھ حریت کے شعلے نکل رہے ہوں ———

پھر سوتے سوتے یکایک تم جاگو اور اپنے کو چنڈو خانہ کی پھٹی ہوئی چٹائی
پر پڑا ہوا پاؤ ـــــــــــــ

جب تمہارا پیکر خیال ایک مولانا اور مرشد نا کے وجود مسعود کا جامہ
پہن لے اور تم دیکھو کہ مسجد کے صحن میں اور مدرسہ کے دالان میں ہزارہا
بندگان خدا تمہارے ہاتھوں کو بوسے دے رہے ہیں، تمہارے قدموں
پر پیشانیاں رگڑ رہے ہیں، تمہارے عبا کے دامن کو غلاف کعبہ سمجھ رہے
ہیں، اور تم اپنے ابرو کے اشارے سے لوگوں کو جنت اور دوزخ میں
داخل کر رہے ہو، عرش اعلیٰ کے فرشتے تمہارے پاس پیام لے کر آ رہے
ہیں ـــــ اور پھر یکایک لوہے کی بھاری کواڑوں کے بند ہونے کی
آواز تم کو چونکا دے، اور تمھیں یاد آئے کہ پولیس نے تم پر ایک منکوحہ
عورت کے فرار کرانے کا الزام لگا کر حوالات میں بند کر دیا ہے ـــــــ

جب تم خواب دیکھ رہے ہو کہ تم دنیا کے بہت بڑے ہواباز
ہو، تم اپنے آلہ پرواز میں کوہ آیورلیسٹ کی چوٹی پر پہنچ گئے ہو،
تمہارے کارناموں سے اخبارات کے کالم بھرے ہوئے ہیں ـــ پھر
تمہاری آنکھ کھل جائے اور ہوائی جہاز کے بجائے تم کٹی ہوئی پتنگ
کو اپنے مکان کے چھپر پر گرتے ہوئے دیکھ کر دوڑ پڑو ـــــــ

جب تم تصور کر رہے ہو ہاتھی یا موٹر کی سواری کا اور اپنے کو
سولہ پاؤ تکیہ پر! خواب دیکھ رہے ہو شیر کے شکار کا اور سوتے سوتے
ناک پر مچھر کے ڈنک کی تکلیف سے تم اچھل پڑو، جب تخیل تمہارے

مُنہ میں لذیذ اور لطیف لقمے دے رہا ہو۔ لیکن تم کو اپنے ہاتھ میں سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا نظر آئے، جب تم حاکمانہ عظمت و جلال کے خواب دیکھ رہے ہو اور آنکھ کھلنے کے بعد اپنی اصلیت کو ایک غلام سے بھی زیادہ نہ پاؤ ــــــــــ اُس وقت، خواب اور اُس کی تعبیر کا فرق تمھیں معلوم ہوتا ہے! جب میں تمھارے بستر علالت کے پاس بیٹھے ہوئے رات کی تاریکی اور خاموشی میں یہ خواب دیکھتی تھی کہ گویا میں ایک شریف اور باعصمت بیوی ہوں جو اپنے شوہر کی خدمت کر رہی ہے تو اس خواب کے لطف میں رات کے جاگنے کی تکلیف اور تیمارداری کی زحمت کو بالکل بھول جاتی تھی اور بعض راتیں تو ایسی گذریں میں شام سے صبح تک ــــ جب تم بخار کی حالت میں غافل پڑے ہوتے تھے ــــ اُسی دنیا میں رہی ــــ لیکن اب کہ تمھاری تیمارداری سے فارغ ہو کر اپنے گھر آئی ہوں اور عشاق کی عشق بازی کا مشغلہ پھر شروع ہوا ہے، دردِ فراق میں مرتے ہوئے چاہنے والے پھر جمع ہوتے جاتے ہیں ــــ اب مجھے بھی خواب اور اُس کی تعبیر کا عبرت انگیز فرق محسوس ہو رہا ہے ــــ "دیبلی! وہ دنیا جو بیمار کے سرہانے تھی تیرے لیے نہیں ہے" ــــ کوئی مجھ سے کہتا ہے!!

اُنتالیسواں خط

اب تو ماشاءاللہ تم اہلِ قلم کی آسمانی اور روحانی برادری میں داخل ہوتے جاتے ہو! جب تم دیکھو کہ تم ایسے جھوٹ لکھ سکتے ہو جن کے اندر سے بہت سے جھوٹ پیدا ہو سکیں، بہت سی شاخیں پیدا ہو سکیں تو سمجھ لو کہ تم اہلِ قلم ہو گئے! اہلِ قلم کی پہچان یہ ہے کہ وہ چھاپہ خانہ کی روشنائی سے اپنا نام چھپا ہوا دیکھنے کی بہت بے صبر خواہش رکھتا ہو! اگر رسالے اور اخبارات آپس میں مجرمانہ سازش کر لیں اور کوئی بھی اُس کے مضامین نہ چھاپے تو اُس زبردستی اور ناانصافی کے خلاف وہ اپنے کو مشتہر کرنے کی دوسری صورتیں پیدا کر لے یعنی وہ اشتہاری دوا فروشوں کو اسناد دینا شروع کر دے۔ سر میں ڈالنے کے تیل سے، حبِّ مقوّی اور آبحیات تک ہر دوا کے لیے وہ اپنے تجربات تحریر کر کے مالکان کارخانہ کے پاس بھیج دیا کرے۔ بلاشبہ وہ شایع کیے جائیں گے اور اُس کے نام کی اشاعت سے اُس کی روح تسکین حاصل کر سکے گی! اس سے بحث نہیں کہ اُس نے رُوغن مفرح دماغ استعمال کیا ہے یا نہیں، لیکن وہ لکھے گا کہ:۔ "میں بالکل گنجا ہو گیا تھا، مفرح دماغ نے اتنے بال پیدا کر دیے کہ ہر تیسرے دن حجام کو بلانا پڑتا ہے" اکسیر بدن کا اُس نے تجربہ کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر وہ بے تکان

تصدیق کرے گا کہ :۔ "میرا وزن گھٹتے گھٹتے تین چھٹانک رہ گیا تھا، طالب علمی کے زمانہ میں میں اتنا دُبلا تھا کہ اگر کلاس میں ذرا تر چھا بیٹھ جاتا تھا تو ماسٹر صاحب رجسٹر میں غیر حاضری درج کر دیتے تھے! مگر اکسیر بدن کے استعمال کے بعد یہ حال ہے کہ میں مولانا شوکت علی سے کشتی بدنے کے لیے تیار ہوں!" حب مقوی کے متعلق وہ حلفیہ بیان دیگا کہ :۔ "یہ وہ دوا ہے جس سے مُردے زندہ ہو جایا کرتے ہیں اور اکثر مقامات پر ہو چکے ہیں۔" وہ خود اپنے امراض کی ایک طویل فہرست پیش کرے گا اور لکھے گا کہ :۔ تمام اطبّا اور ڈاکٹر جواب دے چکے تھے مگر تریاق مسیحی نے میرے تمام امراض کو ختم کر دیا، گویا میں دوبارہ ماں کی گود میں پیدا ہوا۔ کمر میں درد تھا، آنکھوں میں پانی اُتر رہا تھا، ٹانگوں میں گٹھیا کی سخت تکلیف تھی، گُردے بہت کمزور ہو گئے تھے، جگر پر ورم تھا، مگر اس تریاق نے ساٹھ برس کے بُڈھے کو بالکل نیا کر دیا! طبیعت میں نوجوانی کی اُمنگ پیدا ہو گئی ــــ کالج میں پھر نام لکھانے کو جی چاہتا ہے!" ــــ یہ سند "چار نکاح کیجیے" کے عنوان کے ماتحت پورے صفحہ کے اشتہار کے ساتھ تمام سنجیدہ اخبارات و رسائل میں شایع ہو گئی ــــ اس طرح اُن ایڈیٹروں سے انتقام لیا جاسکیگا جو اہلِ قلم کے مضامین شایع کرنے میں بے جا بخل سے کام لیتے ہیں! ــــ کہتی یہ ہوں کہ تم بھی اگر اہل قلم بننا چاہتے ہو تو اپنی مضمون نگاری

میں زیادہ تر اشتہاریت کے نصب العین کو سامنے رکھو! اگر میرے تمھارے ان خطوط کی اشاعت سے اخبارات و رسائل کے شقی القلب اڈیٹر انکار بھی کر دیں اور کسی طرح بھی ہماری تمھاری عاشقی معشوقی زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکے تو پھر کسی اشتہاری دوا فروش ہی کے ذریعہ سے میرا تمھارا معاملہ شائع کر دیا جائے! تم ایک سند لکھ دینا کہ میں نے تریاق مسیحی کھایا اور عشق کے مرض سے شفاءِ کلی حاصل کی، میں ایک بیان لکھ دونگی کہ "میں نے معجون مرکب بہ نسخۂ کلاں استعمال کی اور اُس کے اثر سے اپنے افعال قبیحہ سے تائب ہونے پر مجبور ہوگئی" پھر دیکھو اخبارات و رسائل کے صفحات پر میرا تمھارا نام کس قدر روشن ہوگا! لوگ کہیں گے "کیوں صاحب یہ لیلی صاحبہ کون ہیں جو معجون مرکب بہ نسخہ کلاں کے اثر سے تائب ہوگئیں؟ اور یہ اُن کے عاشق کون ہیں جن کو تریاق مسیحی نے عشق سے نجات دی؟" پھر لوگ پتہ لگاتے ہوئے میرے غریب خانہ تک آئیں گے اور اُن میں بہت سی مکھیاں ہونگی جو میرے شیرے پر چپک کر رہ جائینگی!! توبہ کی تشہیر ایک طرف، عشاق کی تسخیر دوسری طرف!!!

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

مجھے تم بار بار خطوط لکھتے ہو، بجائے اس کے بہتر ہے کہ اپنے عشق ناساز گار کی داستان کسی اُردو کے رسالے میں لکھنا شروع کردو۔

مجھے بھی اُس سے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچے گا اور تمھارے پاس بھی اونچے اونچے خاندانوں سے پیام فرزندی آنے لگیں گے! اپنی ادبی قابلیت کو گمنام خط و کتابت میں ضایع کرنے سے کیا حاصل۔ اگر دنیائے ادب میں نام پیدا کرنا چاہتے ہو تو اشتہاری مضامین لکھنا سیکھو!——

میرا یہ تمام طنز اس خبر کی تمہید ہے کہ آج کل ایک اڈیٹر اور ایک بڑے کاروباری دوا فروش، میرے مکڑی کے جالے میں لٹکے ہوئے ہیں۔ شاید اڈیٹر صاحب تو اس لیے پھنسے کہ میرے انداز دلبری کا مطالعہ اُن کی مضمون نگاری کا معاون ہوتا ہے اور ممکن ہے دوا فروش اس لیے گرفتار ہوئے ہوں کہ میرے گھر اُن کی مقویات کے کافی خریدار مل سکتے ہیں!!

چالیسواں خط

تھکی ہوئی امیدیں اور خواہشیں، تھکے ہوئے ارادے اور حوصلے، تھکے ہوئے خیالات، تھکی ہوئی محبت، تھکے ہوئے بوسے، تھکا ہوا غم، تھکی ہوئی خوشی——تھکی ہوئی ساری زندگی! اے اللہ! پھر کیوں میرے تھکے ہوئے دل میں خواہشوں کی نئی نئی

دنیائیں پیدا ہوتی ہیں؟ جن میں خوشی اور غم ایک دوسرے کے گریبان میں ہاتھ ڈالے — لڑتے، جھگڑتے، مرتے، چلے آتے ہیں اور میری خاموش زندگی میں تہلکہ مچائے دیتے ہیں؟ میں اُس مٹّی کے کیڑے کی طرح ہوں، جو مٹّی میں پیدا ہوتا ہے مٹّی میں رہتا ہے، مٹّی کھاتا ہے، مٹّی سے پرورش پاتا ہے، اور پھر ایک دن کسی راہرو کے پاؤں سے کچل کر مٹّی ہی میں مل جاتا ہے! اس بدنصیب کیڑے کو کیا اتنی بھی خبر نہیں کہ اگر خواہشیں اُس کے دل کو کریدیں گی تو اُس کا حشر کیا ہوگا! سُورج کی روشنی، چاند کی ضیا، پھولوں کا حُسن، بجلی کی چمک، بادل کی گرج — کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس کیڑے کے دل میں خواہشوں کو نہ آنے دے، یا جو آجائیں اُن کو مٹا دے اور پھر اس مشتِ خاک کو اپنے آغوش میں لے کر اُڑ جائے، پھیل جائے، ساری فضائیں سما جائے!

تم کہوگے کہ میرا اُتار چڑھاؤ بھی عجیب ہے، کبھی بجلی بن کر چمکتی ہوں، کبھی بادل بن کر گرجتی ہوں، کبھی برستی ہوں تو برسے جاتی ہوں، کبھی آندھی کی طرح اُٹھتی ہوں تو چڑھے جاتی ہوں، کبھی پھول کی طرح مسکراتی ہوں اور کبھی شبنم کی طرح آنسو بن بن جاتی ہوں — ہنستے ہنستے رو دیتی ہوں، روتے روتے ہنسنے لگتی ہوں — کچھ میرا ٹھکانا ہی نہیں — ابھی ٹھنڈی ہوائیں

چل رہی ہیں، تو ابھی گرمیوں کی دوپہر میں لو چلنے لگی! ــــ میرا کچھ عجب حال ہے، میں کچھ عجب انسان ہوں! کس نے مجھے ایسا بنادیا، کیوں میں ایسی بن گئی؟

تم کہتے ہو کہ تم بیمار رہتے تو اچھا تھا تاکہ میں ہر وقت تمھاری تیمار داری میں مصروف رہتی ــــ مگر تم اچھے کب ہوئے؟ جب سے میری تمھاری ملاقات ہوئی ہے، اُس دن سے آج تک، میں نے تو یہی دیکھا، کہ تمھارا دماغ علیل ہے، تمھارا دل بیمار ہے، تمھارے جگر میں زخم ہیں اور میں بھی روزِ اول سے تمھاری تیمار دار ہوں ــــ تیمار دار ہی نہیں بلکہ معالج اور طبیب! کبھی مذاق اور مزاح کے رنگ میں، کبھی حقارت اور نفرت کے انداز میں، کبھی غصّہ سے، کبھی محبّت سے، کبھی ہنس کر، کبھی رو کر، تمھارا علاج کرتی ہوں ــــ تم بد پرہیز ہو اس لیے اچھے نہیں ہو پاتے، ممنوعات سے پرہیز نہیں کرتے پُرانے بیمار کی طرح چڑچڑے ہو گئے ہو، ضدیں کرتے ہو! تمھیں یہ معلوم نہیں کہ بیماری سے زیادہ تیمارداری کٹھن ہوتی ہے۔ جو کہیں میں بیمار ہو جاؤں ــــ وہی بیماری مجھے ہو جائے (خدا نہ کرے) جو تمھیں ہے تو کیا تم میری تیمار داری کر لو گے؟ ہو سکے گی؟ کیا کہوں تم سے کہ تم نے ابھی بیمار دیکھے ہی نہیں۔ تم جانتے ہی نہیں کہ بیمار کہتے کسے ہیں۔ سر میں درد ہو جاتا ہے تو سمجھتے ہو کہ بیمار ہو گئے۔ جب کلیجہ پگھل کر پسینہ کے ساتھ

نکلنے لگے، دل کے اندر فولاد کو گلا دینے والی ایک بھٹی گرم ہو، آنکھیں آنسو بن کر بہ جائیں اس وقت سمجھو کہ بیمار ہی، بیماری ہے! ابھی تو تھوڑی سی سود مزاجی ہے اور بس! تمھیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ حسرت اور ارمان کی اس دنیا میں مرنے والے، تڑپنے والے اور بیمار ہی دراصل جیتے ہیں۔ باقی سب چلتی پھرتی لاشیں ہیں!! بیمار تم نے دیکھے ہی نہیں! جب نیزہ کی انی دل میں پار ہو جائے، جب تلوار کی دھار روح کے اندر بیٹھ جائے، جب زہر کا بجھا ہوا ایک تیر جسم کے اندر جان میں پیوست ہو اور ہر وقت کھٹکتا رہے ـــــ جب سمجھو کہ تم بیمار ہو!!

اکتالیسواں خط

گناہ؟ کیا کہا؟ گناہ کس کو کہتے ہیں؟ جس چیز سے دنیا میں انسان کو مفر نہ ہو، جو اس قدر عام ہو کہ ایک سو ایک فی صدی اس میں مبتلا ہوں، اس کو برا کیوں کہو؟ اگر پانی پینا گناہ ہے، آنکھوں سے دیکھنا گناہ ہے، کانوں سے سننا گناہ ہے، تو پھر بتاؤ وہ کونسی بات ہے جو گناہ ہے۔ کون ہے جو جھوٹ نہیں بولتا، اپنے ہم جنسوں کے ساتھ بے انصافیاں نہیں کرتا دوسروں

کی ملکیت پر قبضۂ جابرانہ نہیں کرتا، ایک ایک گرہ زمین پر جان نہیں دیتا، ایک ایک کوڑی کے لیے اپنے بھائیوں سے نہیں لڑتا، ایک ایک لقمہ کے لیے جھگڑا نہیں کرتا ــــ کون ہے، بادشاہ سے گدا تک، مسجد کے سب سے اونچے مینارسے، اور مندر کے سب سے بڑے گھنٹے سے لے کر دو آنے والی بیسوا تک ؟ کیسے مان لوں کہ گناہ کسی بُرے کام کو کہتے ہیں، جب میں کسی کو بھی نہ دیکھوں جو گناہگار نہ ہو! ــــ آخر اُس نتیجہ پر ــــ بار بار اسی نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ دنیا میں نہ گناہ کوئی چیز ہے نہ صواب۔ ساری انسانی زندگی کی بنیاد صرف دو عناصر پر ہے ــ قوی اور ضعیف۔ قوی سراپا صواب ہے، اور ضعیف سراپا گناہ ہے! یہی صرف دو قانون ہیں، دو مذہب ہیں، دو مسلک ہیں! دو قومیں ہیں، انسانیت کے دو اصول ہیں، ترازو کے دو پلے ہیں!! بس! قوی اور ضعیف، قوی اور ضعیف، قوی اور ضعیف ؛ ان دو لفظوں میں دنیا کی تمام زندگی کی تفصیل مرکوز ہے! قوی قانون بناتا ہے، ضعیف سزائیں پاتا ہے، قوی اپنی شہرت اور طاقت کے مینار بناتا ہے، ضعیف اپنی قبریں کھودتا ہے۔ جو شراب قوی پیئے وہ بالکل جائز اور حلال، جو ضعیف پیئے وہ مطلق حرام اور ناجائز! جو قتل قوی کرے وہ انصاف اور جائز انتقام اور جو ضعیف کرے اُس کی سزا موت! جو خلاف ورزی فطرت قوی کرے وہ عین فطرت اور

جو ضعیف کرے وہ خلاف فطرت، کمزور عورت کے ساتھ قوی مرد کا برتاؤ، جائز، ضروری اور مناسب، لیکن ضعیف عورت اگر وہی کرے جو قوی مرد کرتا ہے تو پھر قیامت آجائے کہ حاشا! اس ضعیف سے زیادہ ظالم، بدکردار، گناہگار کوئی نہیں! قوی جب اپنے محل میں دو ہزار عورتیں اور لونڈیاں بھر لے تو وہ سب بیگمات ہیں اور سب پر اپنے مالک کی اطاعت لازم ہے، لیکن ضعیف اگر ایک سے زیادہ عورت کو اپنے پہلو میں بٹھائے تو وہ عیاش ہے، بدکار ہے! بڑے سے بڑا قاتل، عیاش، شراب خور امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین اور مہاراج اور ہیراج بن سکتا ہے لیکن اس کے غلاموں کو قتل، عیاشی اور شراب خواری میں اسی خلیفۃ المسلمین اور مہاراج اور ہیراج کی عدالت سے دن رات سزائیں دی جاتی ہیں! سزا اور جزا کا انحصار ذرا بھی نیک و بد اعمال پر نہیں ہے ــــ در اصل انحصار فریقین کے قوت اور ضعف پر ہے۔ پھر کیوں ناحق، اخلاق اور اعمال کے معیار کو آسمانی اور ربانی کہتے ہو؟

تم کہو گے کہ بغیر موجودہ نظم کے انسانی تمدن کا شیرازہ قائم نہیں رہ سکتا، میں کہتی ہوں کہ بغیر موجودہ تمدن کے کیا دنیا آباد نہ تھی؟

اگر قوی اور ضعیف کا توازن محض جسمانی قویٰ کی طاقت کہ

قائم ہے تو بلاشبہ وہ ایک فطری امتیاز ہوگا۔ لیکن جب سوسائٹی کے ہر طبقہ میں، ہر دو انسانوں کے درمیان، خواہ وہ باپ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں مقابلہ جاری رہے اور اُس مقابلہ کی بنیاد قوائے جسمانی کا تفوق نہ ہو بلکہ چالاکی، عیاری اور مکاری تفوق کا معیار بن جائیں تو کیا یہ زندگی جہنم سے کسی طرح ہی کم رہیگی! ہم جب اسی دنیا کے جہنم میں شاد و ناشاد زندگی بسر کر سکتے ہیں تو پھر اُس دوسرے جہنم سے کیوں ڈریں جس کی دھمکیاں مذہب دیتا ہے! میں تو سمجھتی ہوں کہ وہ جہنم شاید اس جہنم سے کچھ کم تکلیف دہ ہوگا۔ وہاں یہ تو نہ ہوگا کہ ایک ہی جنس کی زندگی میں قوی کی سیاست ضعیف کو کچل رہی ہو! ہماری دنیا میں اعلیٰ دماغ وہ کہلاتے ہیں جو غلام بنانے اور دوسروں کے حقوق پر جابرانہ قبضہ کر لینے کا فن جانتے ہوں! سیاست اُس کو کہتے ہیں کہ ایک قوم کے وسیع پیٹ میں دوسری اقوام ہضم کی جاسکیں! معاشرت اُس کو کہتے ہیں کہ ایک دولتمند اور چالاک طبقہ باقی تمام طبقوں پر حکومت کر سکے اور اُن کا خون چوس چوس کر اپنی طاقت میں اضافہ کرتا رہے! ہماری معاشرت میں درحقیقت بنی نوع انسان دو حصوں میں تقسیم ہے:۔ برہمن اور اچھوت! مسلمان، ہندو، عیسائی، پارسی، ایرانی، عرب، سب اسی تقسیم کے ماتحت ہیں۔ برہمن آقا اور اچھوت

غلام ! حاکم اور محکوم، سرمایہ دار اور مزدور، مولانا اور مرید، ان مختلف ناموں کے پردہ میں حقیقت ایک ہی ہے جو پوشیدہ ہے :— قوی اور ضعیف !! بُرا، اچھا، گناہ، صواب، پاک و ناپاک، بلند و پست، مومن و کافر، حاکم و محکوم، آقا اور غلام یہ سب اصطلاحیں قوی وضع کرتا ہے اور اسی معیار پر ضعیف جانچے جاتے ہیں! اگر آج تم کمزور ہو جاؤ اور میں قوی ہو جاؤں تو تمہارا وجود ایک ناقابل معافی جرم اور میری عصمت فروشی ایک پاکیزہ خصلت قرار پائے! میں جو کچھ کرتی ہوں وہ اعمال حسنہ کہے جائیں، اور جو کچھ تم کرو وہ گناہ اور جرم سمجھا جائے۔ تمہاری طرف حقارت اور نفرت کے وہی اشارے کیے جائیں جو اب میری طرف کیے جاتے ہیں — تمہارا کوئی سلام بھی قبول نہ کرے اور جلوسوں میں میری گاڑیاں کھینچی جائیں! مجھ میں تم میں اعمال کا فرق قابل توجہ نہیں، بلکہ قوی اور ضعیف کا وہ امتیاز ہے جس نے عورت کی گردن مرد کے پاؤں کے نیچے رکھ دی ہے! کیا خدا نے اس دنیا کو جب پیدا کیا تھا تو اس نے ہماری زندگی کا یہی نظم قائم کیا تھا جو آج ہے؟ تم چونکہ میرے مقابلہ میں قوی ہو اس لیے یہی کہو گے کہ موجودہ تنظیم عین فطرت الٰہی ہے، میں چونکہ کمزور ہوں مجھے تمہارا قول فیصل ماننا پڑے گا، مگر یاد رکھو میرا ایمان یہ نہیں ہے، میں قوی کے مقابلہ میں ضعیف نہ ہوں،

مگر باغی ہوں!! تم میری انسانیت کا لباس اُتار کر مجھے ننگا کر سکتے ہو، تم میری عصمت پر ڈاکہ ڈال سکتے ہو، تم مجھے اپنے گھر کی ماما اور لونڈی بنا سکتے ہو، مگر ایمان ہی ایک چیز ہے جس کو کوئی قوی کسی ضعیف سے نہیں چھین سکتا! فطرت الٰہی کی یہی سب سے بڑی چٹان ہے جو مظلوموں کا سہارا ہے! مرد نے اپنی قوت اور سیاست سے عورت کی ہستی کو مٹا دیا ہے، اُس کی پیشانی پر غلامی کا ٹیکہ لگا دیا ہے، مگر ابھی تک وہ اُس کے ایمان کو نہیں مٹا سکا ہے۔ ہندوستان میں اور اغلباً تمام ایشیا میں، ایک دفعہ، عورت مرد کے تفوق کے خلاف ایسی خوفناک بغاوت کرنے والی ہے جو تمھاری خود ساختہ سوسائٹی کے شیرازہ کو درہم و برہم کر دیگی۔ ہم تم غالباً اُس وقت دنیا میں زندہ نہ ہوں گے، جب وہ طوفان نوح آئے گا، لیکن ہماری آئندہ نسلیں عورتوں کو مردوں کے تخت شاہی پر قبضہ کرتے دیکھیں گی اور ظالموں سے مظلوموں کا بدلہ لیا جائے گا! بلاشبہ جفا کار مردوں کے لیے وہ یوم الحساب بہت سخت ہو گا!!

عورتوں کی جو بات تمھیں ناپسند ہو، تم لوگ بلا تکلف کہہ دیتے ہو کہ یہ گناہ ہے، یہ جرم ہے، لیکن ہم اگر تمھارے کسی گناہ یا جرم کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں تو تم ہماری آنکھیں پھوڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہو۔ مجھ جیسی بازار میں بیٹھنے والی عورتیں

سب سے زیادہ زخم نصیب ہیں اور سب سے زیادہ مظلوم!
وہی انشاء اللہ باغیوں کی سب سے پہلی صف میں کھڑے ہو کر
اور اپنے نیزوں کی نوک تمہارے سینوں پر رکھ کر تم سے
کہیں گی :-

"لاؤ! جو کچھ تم نے ہم سے گذشتہ صدیوں میں چھینا
ہے، اُس خون کے ایک ایک قطرہ کا حساب دو جو تم
نے بہایا ہے! مٹے ہوئے ارمانوں، ٹوٹی ہوئی اُمیدوں،
زخمی دلوں، بگاڑے ہوئے نصیبوں اور برباد کی ہوئی
روحوں کی قیمت ادا کرو! ایک ایک زخم گن لو، جو
تم نے لگائے تھے ـــــ سب ہرے ہیں ـــــ ان میں
سے ہر زخم کے بدلے تمہاری بدکردار روح کو ٹکٹکی سے
باندھ کر ایک لاکھ چابک لگائے جائیں گے!"

اُس دن تمہارے غرور کی کمر ٹوٹے گی اور اُس دن خدا کے
انصاف کی ترازو کے پلّے برابر ہو جائیں گے!!-

انتقام کا یہ خواب، میری طرح ہزاروں مظلوم عورتیں دیکھ
رہی ہیں۔ تمہارا ظلم بڑھتا جائے گا اور اُس کے ساتھ باغیوں
کی تعداد بھی بڑھتی جائے گی تا آنکہ ایک دن قوی اور ضعیف
جگہ بدل لیں گے!!

ان بے سروپا تخیلات پر حقارت کی ہنسی ہنسو، ہنستے جاؤ،

ہنس ہنس کر عورت کے کمزور وجود کو ٹھکرائے جاؤ۔ یہی ہنسی ایک دن موت کا پھندا بن کر تمھارے گلے کی رگوں کو کچل دیگی۔ قضا کی ہچکی بن کر تمھارے حلقوم میں اٹک جائیگی!!——

یہ اُس اشارے کا جواب ہے جو تم نے اپنے خط میں میرے گناہوں کی طرف کیا تھا!— اور کچھ سنوگے!!

بیالیسواں خط

قصبہ کے ٹوٹے ہوئے مکان میں ایک بوڑھیا رہتی تھی۔ایک دن اُس کا جی چاہا کہ کھیر پکائے، دودھ لینے کے لیے اُس نے اپنے بچے کو بازار بھیجا۔بچہ دودھ لے کر آرہا تھا کہ راستہ میں ایک کٹی ہوئی پتنگ گرتی نظر آئی، سڑک پر بہت سے لڑکے اُس پتنگ کو لوٹنے کے لیے دوڑے۔ وہ بھی دوڑا— دودھ کا پیالہ ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اور اُس کے ٹکڑے زمین پر پڑے رہ گئے— تھوڑی دیر بعد ایک رئیس کے صاحبزادے اپنی موٹر دوڑاتے ہوئے اُس سڑک پر گذرے۔ پیالہ کا ایک نوکدار ٹکڑا موٹر کے ٹائر میں گھس گیا۔ ٹائر کے پھٹ جانے کی وجہ سے اُن کو کچھ دیر قصبہ میں ٹھہرنا پڑا۔ وہ اپنا ٹائر

درست کرا رہے تھے کہ سامنے کے مکان کے ایک دریچہ میں انھوں نے ایک حسین لڑکی کو دیکھا۔ دیکھتے ہی وہ عاشق ہو گئے۔ کچھ عرصہ تک اُس لڑکی کے ماں باپ سے پیام سلام ہونے کے بعد ان رئیس زادہ کا اُس لڑکی سے نکاح ہو گیا ——— اس ازدواج سے سات اولادیں پیدا ہوئیں۔ اُن سات بچّوں میں سے ہر ایک ایک نئے گھر کا چراغ بنا اُس سے ایک نیا خاندان دنیا میں پیدا ہوا، اُس خاندان سے ایک نئی برادری پیدا ہوئی اور ایک صدی کے اندر اس جوڑے کی اولاد نے چند قصبے آباد کر لیے!

اب اگر اُس دن صبح کو بڑھیا کے دل میں کھیر کھانے کی خواہش پیدا نہ ہوئی ہوتی اور بجائے کھیر کھانے کے اُس نے کھچڑی کھانے کا ارادہ کیا ہوتا تو نہ وہ بازار سے دودھ منگاتی، نہ رئیس زادہ کے موٹر کا ٹائر خراب ہوتا نہ اُس کا نکاح قصبہ کی اُس لڑکی سے ہوتا، نہ سات اولادیں ہوتیں، نہ سات نئے گھر آباد ہوتے، نہ سات خاندان ہوتے! بڑھیا کی ذرا سی خواہش نے دنیا کی آبادی میں کتنا اضافہ کر دیا! ———

خاں صاحب کی بیوی بہت تنک مزاج اور ضدّی تھیں۔ خاں صاحب کا مزاج بھی نازک اور جلد مشتعل ہونے والا تھا گھر میں صبح کی چائے کے وقت ماما نے مکھن تالی میں گرا دیا، بیگم صاحبہ نے غصّہ کی حالت میں ماما کے دو طمانچے مار دیئے۔

ماما نے اپنے شوہر سے شکایت کی، شوہر خاں صاحب سے شکوہ کرنے آیا، خاں صاحب صبح کی چائے پر مکھن نہ ملنے کی وجہ سے بدمزاج ہو رہے تھے، اُنھوں نے ماما کے شوہر کے گھونسہ مار دیا، اُس کی تلی پھٹ گئی۔ خاں صاحب قتل کے الزام میں ماخوذ ہوگئے اور سات برس کے لیے جیل خانہ گئے۔ بیوی اس صدمہ میں مر گئیں، جائداد قرضہ میں نیلام ہوگئی —— اب، خاں صاحب کا کوئی یاد کرنے والا باقی ہے نہ اُن کی بیوی کی قبر پر کوئی چراغ جلانیوالا! —
اور بات صرف اتنی تھی کہ صبح کو مکھن کی ایک گولی نالی پر گر گئی تھی! وہ مکھن اگر اُس دن صبح کو نالی میں نہ گرا ہوتا تو شاید یہ خاندان بھی اس طرح تباہ نہ ہوا ہوتا! ——

ایک مٹھی بھر خاک، ایک چیونٹی، ایک مچھر، ایک تنکا، چُلّو بھر پانی، درخت کا ایک پتّا، پھول کا ایک کانٹا، ایک خفیف سی خواہش، ایک ذرا سا وہم بڑے سے بڑے واقعات اور بڑے سے بڑے نتائج کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔ سرِ راہ ایک معمولی واقعہ کے بطن سے اکثر خوفناک واقعات اور خونریز انقلابات پیدا ہوتے ہیں۔ سلطنتیں تباہ ہوجاتی ہیں، شہنشاہوں کے تخت لوٹ جاتے ہیں! چڑیا کسی درخت کا ایک بیج لے کر اُڑتی ہے۔ کسی بیابان اور ویرانہ میں وہ بیج اُس کی چونچ سے نکل کر زمین پر گرتا ہے، ہوا کا جھونکا اُس بیج پر ایک مٹھی بھر خاک

ڈال دیتا ہے، بادل سے پانی کے چند قطرے اُس بیج پر گر جاتے ہیں ـــــ پچاس برس بعد اُس بیابان میں سینکڑوں میل تک ایک گھنا جنگل چرندوں، پرندوں اور درندوں کا مسکن ہوتا ہے کس کو خبر ہے کہ اس ویرانہ میں وہ پہلا بیج کیونکر آیا تھا؟ اُس ابتدا اور اِس انتہا کے تفاوت کو دیکھو!

اسباب و نتائج کا یہ سلسلہ کس قدر خوفناک اور کس قدر دلچسپ اور کس قدر ناگزیر اور لاعلاج ہے! پھر غور کرو کہ ہمارے ہر سانس کے ساتھ یہ اسباب پیدا ہوتے ہیں ـــــ ایسے خفیف کہ ہمیں خبر بھی نہیں ہوتی ـــــ لیکن ایک ہی دن میں یا سو برس میں اُن اسباب سے ایسے نتائج پیدا ہوتے ہیں جن سے مورخ کی تاریخ کے ہزاروں صفحات بھر جاتے ہیں، اُن صفحات کا آغاز ایک ذرا سا نقطہ ہوتا ہے!! مورخ بھی نہیں جانتا کہ جو واقعات وہ لکھ رہا ہے اُن کا سرچشمہ کہاں تھا۔ ذرا سوچو کہ ہماری تمھاری زندگی کس قدر تاریک، ہمارے تمھارے اختیار سے کس قدر باہر اور فہم و ادراک سے کس قدر بالاتر ہے! مگر ہم کو ـــــ اور عورتوں سے زیادہ مردوں کو دعویٰ ہے، کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں! ـــــ میرے اور اپنے تعلقات پر نظر کرو، کتنی ذرا سی بات تھی کہ تم اُس شب محفل میں آئے اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے میرے قریب بیٹھ گئے۔ پھر کتنی ذرا سی

بات تھی کہ میرا جلتا ہوا سگریٹ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر
گر گیا اور تم نے اُس کو اُٹھا کر مجھے دے دیا۔ بہر حال اگر اُس
شب کو جس کمرہ میں محفل جمی تھی وہ کمرہ اس قدر تنگ نہ ہوتا،
اگر میرا سگریٹ اتفاقیہ میرے ہاتھ سے نہ گرا ہوتا اور اس طرح
مجھ سے اور تم سے بیگانہ وار چند باتیں نہ ہوئی ہوتیں تو
گزشتہ دو برس میں میری تمھاری زندگی میں جو زلزلہ آتا رہا
ہے وہ کیسے پیدا ہوتا ؟ خدا جانے میں کہاں ہوتی اور تم کہاں
ہوتے۔ اُس شب کو نہ تم مجھ پر عاشق ہونے کا ارادہ کرکے
آئے تھے، نہ مجھے اُس وقت چاہنے والوں کی تلاش تھی، تم نے
بھی ایسی ہزاروں محفلیں دیکھی تھیں اور میں بھی بہت سی محفلوں
میں اپنے حسن کا اشتہار دے چکی تھی! گو میں اس دنیا میں
اُس وقت نئی تھی اور اس پیشہ کے راہ و رسم سے بخوبی واقف
نہ تھی تاہم اُس چند منٹ کی ملاقات کے بعد بظاہر کوئی وجہ
نہ تھی کہ میں تم کو یاد رکھتی۔ اُس شب کی مختصر ملاقات کے بعد
چند روز تک، میں اپنے پیشہ میں مشغول رہی اور غالباً تم
بھی اپنے تعیش میں مصروف رہے۔ میں دوسرے دن صبح
کو، ——— بلکہ اُسی شب محفل برخاست ہونے سے پہلے ہی ———
بھول چکی تھی کہ تم کون ہو اور کون تھے ——— مگر ——— وہ بیج جو
اُس محفل سے کوئی پرندہ لے کر اُڑ گیا تھا عرصہ تک ایک ویرانہ

میں پڑا رہا اور ہم تم اُس کی نشو ونما سے بالکل بے خبر رہے، شاید کہیں کوئی باغباں تھا جو اُس بیج کی سیوا کرتا رہا۔ ہم کو خبر نہ تھی مگر مزرعہ حیات میں وہ تخم اپنی جگہ پیدا کرتا رہا —— آج اُس کی شاخیں صحرا میں جھوم رہی ہیں!! جہاں ایک سانس کے لیے ہوا نہ تھی وہاں اب آندھیاں چل رہی ہیں!! —— کیا خبر ہے کیا ہونا ہے؟ محبت اور الفت کی آبادیاں آباد ہونگی یا مایوسیوں اور مجبوریوں کے شعلے بھڑک بھڑک کر اس جنگل کو جلا ڈالیں گے! کون بتا سکتا ہے کہ اس سرسبز درخت کے سایہ میں بیٹھ کر ہم تم زندگی کے دن گذاریں گے، اُس کی گھنی شاخوں میں ہم اپنے لیے کوئی آشیانہ بنائیں گے یا کسی دن ایک آندھی ایسی آئے گی کہ وہ درخت جڑ سے اُکھڑ کر ہمارے سر پر گریگا اور اُس کے پتے ہماری کچلی ہوئی لاشوں پر ایک سبز چادر ڈال دیں گے! —— کوئی کیا جانے!

تم اپنے عشق کی بانسری بجائے جاؤ۔ میں اپنے حُسن کا نغمہ سُنائے جاؤں! جو کوئی اس بساط زندگی پر اپنا کھیل کھیل رہا ہے، وہ جس طرح چاہے گا اپنے مُہروں کو چلاتا رہے گا! —— ہم کیا جانیں!!

تینتالیسواں خط

اچھا ہوا تم چلے گئے۔ تم کو چلا جانا ہی چاہیے تھا۔ یہ بھی اچھا
کیا کہ مجھ سے مل کر نہ گئے۔ دوستوں سے رخصت ہوتے وقت،
میں بہت بزدل ثابت ہوتی ہوں۔ درحقیقت ہر ایسی بات
سے جو روحانی کوفت پیدا کرے میں ڈر کر بھاگا کرتی ہوں یہ
میری فطری کمزوری ہے، میں تکالیف کا مقابلہ کرنے سے
گھبراتی ہوں۔ مگر ایسی تکالیف کے بغیر مری زندگی بے نمک رہتی
ہے۔ تاہم جب کوئی اس قسم کا واقعہ پیش آنے والا ہوتا ہے جس
سے میں سمجھتی ہوں کہ مجھے روحانی تکلیف پہنچے گی میں حتی الامکان
اُس سے دور بھاگنے کی کوشش کرتی ہوں اور اگر ایسا کوئی واقعہ
پیش ہی آجائے تو پھر اُس کی یاد کو، اُس کی خلش کو، اپنے دل
سے بھلانے اور مٹانے کے لیے نئے نئے مشغلے پیدا کرتی ہوں۔
اُن مشاغل میں اپنے کو اس طرح غرق کر دیتی ہوں کہ تصوّر
میں بھی اُس واقعہ کے آنے کی گنجائش نہ رہے۔ اپنے حافظہ
کے تمام دروازوں کو بند کر دیتی ہوں، جیسے کوئی تنہا عورت
چوروں کے ڈر سے رات کو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیتی ہو!
باوجود اس دربندی کے کبھی نہ کبھی، کوئی نہ کوئی چور میرے

گھر میں کود ہی آتا ہے اور اس حالت میں پوری شب، اگر میں تنہا ہوں، ورنہ چند لمحے ضرور ایسے گذرتے ہیں کہ میری ہر سانس گویا موت کی ہچکی ہوتی ہے اس کشمکش میں ہزاروں راتیں اور ہزاروں دن گذر گئے۔ میں ہنوز زندہ ہوں۔ میری کاروان سرائے میں۔ مسافر، آتے ہیں ٹھہرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ بہت ایسے ہوتے ہیں جو جا کر کبھی نہیں آتے مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ لوٹ کر آتے ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو اس کاروان سرائے کو اپنا گھر بنا لینا چاہتے ہیں ـــــ ان میں سے ایک تم بھی ہو! خیر نہیں تم اس حقیقت کو محسوس کرتے ہو یا نہیں کہ میں تم سے ڈرتی ہوں، تمھارا وجود مجھے خوفناک معلوم ہوتا ہے۔ جب تم میرے سامنے ہوتے ہو تو ایک چور میرے دل میں گھسا ہوتا ہے، میں اپنے قدموں کو بہکتا ہوا پاتی ہوں، اپنے دل و دماغ کو بھٹکتا ہوا محسوس کرتی ہوں۔ اور جب تم چلے جاتے ہو تو خوف کا ایک سیاہ پردہ میرے دل سے اٹھ جاتا ہے۔ سمجھتی ہوں کہ خطرہ تو ہے مگر مجھ سے بہت دور ہے! میرا عجب حال ہے۔ دریا میں رہتے ڈرتی ہوں اور ساحل پر جانے سے گھبراتی ہوں، دریا کے نہنگ اور ساحل کے شیر اور بھیڑیے دونوں سے ڈرتی ہوں۔ مگر پھر کدھر جاؤں، کہاں جاؤں ـــــ اے میرے خدا!!

رات کو جب میرا خریدار اپنے نفس کے تقاضوں سے فارغ ہوکر سو جاتا ہے، میری آنکھیں اُس وقت کمرے کی تاریکی میں روشنی کے ایک ذرا سے نقطہ کو تلاش کرتی ہیں، میرے کان جوانی کے کسی بھولے ہوئے نغمہ کا انتظار کرتے ہیں۔ میں ہمہ تن خوف و ہراس، ہمہ تن انتظار ہوتی ہوں، سونے والے کے خرّاٹے سنتی ہوں اور اُس سے الگ اپنی دنیا میں، کبھی زندگی ڈھونڈتی ہوں، کبھی موت! اُس سانس گھوٹنے والی خاموشی اور تاریکی میں صرف ایک گھڑی کی آواز میرے بستر کے سامنے طاق پر سے آتی ہے۔ "ختم ــــ ختم ــــ ختم"! جوانی ختم، عیش جوانی ختم، امیدیں ختم، زندگی ختم، سب ختم، سب ختم!! محبت کی آواز جو ازل سے ابد تک پھیلی ہوئی ہے ــــ اور وہ مسرت جاوداں جو عورت کی روح میں اپنا گھر بناتی ہے ــــ سب ختم! گھڑی گھڑی کے اس قول فیصل میں کبھی کبھی میرے پہلو میں سونے والے عیاش کے بلند اور بھیانک خرّاٹوں کی آواز بھی شامل ہوجاتی ہے ــــ "ختم، ختم، بالکل ختم"!! ــــ

صبح ہوجاتی ہے، میں اپنا منحوس مُنہ چُھپاکر دوسرے کمرہ میں بھاگ جاتی ہوں تاکہ میری لٹی ہوئی صورت دیکھ کر وہ دیوِ بے مزہ نہ ہوجائے۔ پھر میں تھک کر سو جاتی ہوں اور معلوم نہیں وہ کس وقت جاگتا ہے اور اپنے گھر چلا جاتا

ہے! ــــــ لیکن جب کبھی تم میری کارروان سرائے میں شب بھر کے لیے آجاتے ہو تو گھڑی کی آواز کچھ بدل جاتی ہے۔ وہ "ختم ختم" نہیں کہتی، "کل ــ کل ــ کل" کہے جاتی ہے۔ رات بھر کہے جاتی ہے۔ میرے دل میں اُس کی آواز ایک بے معنی خوف پیدا کرتی ہے، کوئی میرے کان میں کہتا ہے:۔ "اس اندھیری رات کی صبح کیا ہوگی۔ کل کیا ہونا ہے؟ کل کیا ہونا ہے"!

وہ مسافر جو رات بھر میری کاروان سرائے میں ٹھہر کر صبح کو رخصت ہو جاتا ہے میری کتاب زندگی کے صفحہ پر تمت لکھتا ہے اور چلا جاتا ہے ــــ مگر تم ــــ مجھے ڈراتے ہو، خوف میرے دل میں پیدا کرتے ہو، میں رات بھر لرزتی ہوں اور صبح کو تمھارے پہلو سے نکل کر بھاگ نہیں سکتی!!! تم میری زندگی کے کسی صفحہ پر تمت نہیں لکھتے، ساری کتاب کے اوراق منتشر کر کے ڈال جاتے ہو۔ تم چلے جاتے ہو اور میں بیٹھی ہوئی اُن بکھرے ہوئے اوراق کو سمیٹا کرتی ہوں!

اچھا ہوا تم چلے گئے۔ اپنی مکتوب نویسی کو اپنے عاشقانہ مشاغل کا کفیل سمجھو۔ کبھی کبھی مجھے خط لکھا کرو۔ میں جواب لکھا کروں گی۔

چوالیسواں خط

کوئی میرے دروازے پر دستک دے رہا ہے! آدھی رات کی تاریکی میں یہ کون ہے جو میرے گھر میں آنا چاہتا ہے؟ کیوں آنا چاہتا ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ — کون ہے؟ — کون ہے؟

آجا، آجا، اچھا آجا! کیا کہتا ہے کہدے — خواب گاہ کے ایک گوشہ سے ایک برہنہ جسم میری جانب آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ میں خوف زدہ ہوکر کانپنے لگی، پسینہ میں تر ہوگئی، میرا خریدار جس کی گود میں مَیں نیم برہنہ پڑی تھی، شراب کے نشہ میں مدہوش تھا۔ وہ نہ کچھ سن سکتا تھا، نہ دیکھ سکتا تھا — پسینہ کے قطرے میری پیشانی سے ٹپک رہے تھے اور وہ برہنہ انسان میری طرف بڑھتا آتا تھا — ارے تو کون ہے؟ ارے تو اندھا ہے، دیکھتا نہیں میں ننگی ہوں میں خلوت میں ہوں!

— ایک ہلکی، شیریں اور دھیمی آواز میں جواب ملا:-

"میں فرشتہ ہوں، آسمان سے گرایا گیا ہوں
میں نے خدا سے بغاوت کی ہے، آسمان کے پہرہ داروں
کو حکم دیا گیا ہے کہ میں آسمانی سلطنت میں قدم نہ رکھنے پاؤں!"

"تو کیوں نکالا گیا ہے، تو یہاں کیوں آیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"جب میں خدا کی عدالت میں پیش ہوا، میرے ساتھ اور بھی چند فرشتے ملزم تھے، ہم سب پیش کیے گئے۔ ہم نے کہا، اے خدا! ہم تیری خودمختاریوں کو برداشت نہیں کر سکتے ہم تیری مطلقیت کو گوارا نہیں کر سکتے، تو کسی کی رائے نہیں سنتا، جو تیرے جی میں آتا ہے کیے جاتا ہے، کام بگڑتے ہیں اور تو بگاڑے جاتا ہے، ہم تیری خودمختاری نہیں دیکھ سکتے۔ ہم کو اپنی حکومت میں حصّہ دار بنا! مقربین نے، خوشامدیوں نے خدا سے کہا یہ سب تیرے فرشتے تجھ سے باغی ہو گئے ہیں، اے کردگار، آسمان کی حکومت میں یہ حصّہ دار بننا چاہتے ہیں، انھوں نے تیرے خلاف باغیانہ سازش کی ہے،—— حکم ہوا کہ ان سب کو نکال دو۔ اُس دنیا میں بھیج دو جہاں عورت ہوتی ہے۔ یہ سب آگ ہی آگ ہیں، ان کی آگ میں کچھ مٹی شامل ہونی چاہیے۔—— لے جاؤ—— ان باغیوں کو اور ان سے کہو کہ اپنے وجود میں دنیا کی کچھ مٹی ملا لیں، کسی عورت کے پاس جائیں وہ ان کے خمیر کو درست کر دیگی"——

"پھر کیا ہوا؟" میں نے حیران ہو کر سوال کیا۔

"پھر ہم آسمان سے گرا دیے گئے۔ ہمارے پر اکھیڑ لیے گئے، ہمارا لباس نور ہم سے چھین لیا گیا۔ اب ہم اُس جنس کی تلاش میں ہیں جس کو عورت کہا جاتا ہے،
—— کیا تو عورت ہے؟"

بہت ہلکی ہوا میں چنار کے پتوں سے جو آواز پیدا ہوتی ہے، وہی اُس ننگے فرشتے کی آواز تھی۔ وہ میری طرف بڑھتا آتا تھا اور ایک ہی سوال کیے جاتا تھا —— "کیا تو عورت ہے؟ تو عورت ہے؟" میں خوف کے مارے دم بخود تھی۔ اُس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا، میں کانپنے لگی۔ پھر اُس نے کہا۔ "کیا تو عورت ہے؟" میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ "ہاں میں عورت ہوں۔"

"میرے آتشیں وجود میں کچھ مٹی ملا دے —— اے عورت —— میں نے خدا سے بغاوت کی ہے" اُس نے کہا ——

میں نے اپنے ساز کے ٹوٹے ہوئے تاروں پر اُنگلی رکھ کر ایک بھولا ہوا نغمہ چھیڑا۔ اُس نے کہا "نہیں۔ یہ آسمان کا راگ ہے، مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں اُس کو سنتے سنتے تھک گیا ہوں —— مجھے اپنی دنیا کی ایک راگنی سُنا دے!"

میں نے جو سب سے زیادہ ٹوٹا ہوا تار تھا اُس پر اُنگلی

رکھ دی۔ فرش پر دو زانو ہو کر اُس نے اپنا سر میری گود میں رکھ دیا ــــ ٹوٹے ہوئے تار سے ایک نغمہ نکلنا شروع ہوا۔ دھیما دھیما، ہلکا ہلکا۔ کمرہ کی ہوا میں ایک لرزہ پیدا ہوا، ــــ وہ جھومنے لگا۔ "ہاں یہی، ہاں یہی، ہاں ہاں یہی" وہ کہے جاتا تھا۔ بجائے جا! بجائے جا! اے عورت اپنے ٹوٹے ہوئے تار کو بجائے جا! آسمان والوں کی موسیقی سے یہ نغمہ بہتر ہے ــــ بہت بہتر ہے ــــ سرودِ جنّت سے بھی زیادہ دلکش ــــ تیرے ٹوٹے ہوئے تار کی آواز ــــ بجائے جا!" ــــ

خوف میرے دل سے نکل گیا، میں اپنے ٹوٹے ہوئے تار کی موسیقی میں محو ہو گئی۔ وہ کبھی میری گود میں کبھی فرش پر لوٹ رہا تھا، اُس کے جسم سے ایک مہک آ رہی تھی جیسی کہ کبھی اپنی عمر میں میں نے نہ سونگھی تھی ــــ کب تک یہ عالم رہا کب تک میں بجاتی رہی اور وہ لوٹتا رہا ــــ مجھے خبر نہیں ــــ اتنا یاد ہے کہ محلہ کی مسجد کا موذن صبح کی اذان دے رہا تھا کہ اُس فرش پر تڑپتے ہوئے جسم سے ایک شعلہ بلند ہوا اور اُس شعلہ سے ایک آواز آئی "اے عورت تو میری ہے" ــــ "میں پھر آؤنگا" ــــ میری آنکھیں بند ہو گئیں!! ــــ

آج صبح رات کے اُس عجیب تماشے کو اپنے دل میں دوھرا رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا تعجب ہے کہ یہ مرد جو دنیا میں

عورت پر حکومت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، آسمان سے نکالے ہوئے باغی فرشتے ہوں جو یہاں آکر شیطان کی فوج میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تو کیا ان باغیوں کی بغاوت کا علاج صرف عورت ہی ہے؟ ساتویں آسمان پر ان سرکشوں کی بغاوت کا کوئی علاج ممکن نہ ہوا کہ انھیں اس بستی کو تباہ کرنے کے لیے عورت کے گلے کا ہار بنا دیا گیا؟ ہم صرف اسی لیے ہیں کہ اپنی مٹی ان کے آگ میں ملائے جائیں؟ کوئی اور کام ہمارے سپرد کیا گیا ہوتا! کوئی اور فرض ہمارے ذمہ ڈالا گیا ہوتا، کوئی اور مشغلہ ہمارے لیے تجویز کیا گیا ہوتا ـــــ یہ کیا ضرور تھا کہ آسمان کے یہ باغی ہماری گودوں میں اُتارے جاتے!!

پینتالیسواں خط

کیوں مجھ سے شکایت کرتے ہو کہ میں تمھیں بھول گئی ــ میں تمھیں نہیں بھولی ـــــ نہ بھُول سکتی ہوں۔ عورت بھولا نہیں کرتی! عورت جب تک یہ نہ بھول جائے کہ وہ عورت ہے، اُس وقت تک وہ کچھ بھی نہیں بھولتی۔ اُس کی زندگی کے واقعات کا ہر نقش ــ ہلکا ہو یا گہرا ـــ اُس کے قلب پر محفوظ رہتا ہے!

دہقان کی بیوی جو دن بھر گاؤں کے کچے راستوں پر گوبر جمع کرتی ہے، دن بھر کھیتوں میں مویشی چراتی ہے۔ بیلوں کو گاؤں کے کنوئیں پر نہلاتی ہے ——

غریب گھر کی بیوہ یا سہاگن جو برتن مانجھتی ہے مسالہ پیستی ہے روٹی پکاتی ہے! ——

مفلس و نادار بڑھیا جو اُجرت پر کپڑے سی کر اور آٹا پیس کر اپنا پیٹ پالتی ہے ——

دایہ جو پانچ روپیہ مہینہ پر اُمرا اور اہل دول کے بچوں کی خدمت کرتی ہے ——

ترکاریاں بیچنے والی

بچوں کو پڑھانے والی اُستانی

محلوں کی بیگم، زر و جواہر کی شیدائی، عیش و عشرت کی پروردہ

علم و ہنر والی خاتون جو اخبارات و رسائل میں مضامین لکھتی ہے ——

تہذیب مغرب کی سوتیلی بیٹی جو رنگین تتلی کی طرح باغوں اور گلزاروں میں اُڑتی پھرتی ہے اور شمع کی طرح محفلوں اور انجمنوں میں مردوں کو ذوق نظر عطا کرتی ہے۔

سیاسی خاتون —— شریمتی دیوی —— جو کھدر پہن کر جلسوں میں تقریریں کرتی ہے ——

تھیٹروں کی ایکٹرس جو ہر شب کو تماشائیوں کے سامنے

اپنا جلوۂ صد رنگ پیش کرتی ہے ——

اور سر بازار بیٹھ کر عصمت فروش —— لیلی ——

ان سب کو جب تک اپنا عورت ہونا یاد رہتا ہے اُس وقت تک زندگی کے ناہموار راستہ کا ایک ایک پتھر، ایک ایک ذرّہ یاد رہتا ہے! عورت کی زندگی اسی لیے تلخ ہوتی ہے کہ وہ بھُول نہیں سکتی۔ مرد اسی لیے زیادہ مطمئن اور بے پروا ہوتا ہے کہ رات کی بات صبح کو بہ آسانی بھُول جاتا ہے۔ شب بھر اپنے عیش کی عمارت بناتا ہے اور صبح کو ایک ٹھوکر سے اُس کی دیواریں گرا کر اپنا راستہ لیتا ہے! درحقیقت مرد فطرتاً خانہ بدوش ہے اور عورت وطن پرست۔ مرد ہر جگہ اپنا دل لگا لیتا ہے اور عورت جس دیوار کے سایہ میں بیٹھ جاتی ہے، پھر اُٹھ نہیں سکتی۔ وہیں سے اس کا جنازہ اُٹھتا ہے —— اور اگر اُٹھ بھی جائے تو عمر بھر اُس دیوار کے سایہ کو نہیں بھولتی، باغوں میں رہتی ہے، محفلوں میں جلوہ ریز ہوتی ہے، سمندروں کے طوفان دیکھتی ہے، بیابانوں میں گذرتی ہے، اور پھر اُسی دیوار کے سایہ کو تلاش کرتی ہوئی آتی ہے —— بھول نہیں سکتی تا آنکہ اُس کو وہ نیند نہ آجائے جو دنیا کی ہر چیز کو بھُلا دیتی ہے!!

عورت اور مرد کی فطرت کا یہ بہت بڑا فرق ہے۔ مرد بہت کم

سوچتا ہے بہت کم سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی یاد نہیں رکھتا۔ وہ اپنے حاکمانہ اقتدار کے نشہ کی حالت میں عورت کی فطرت کا مطالعہ بھی غیر ضروری سمجھتا ہے۔ ایشیا کے دو بڑے مذہبوں نے عورت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُس کا غلام بنا دیا ہے ـــ پھر کیوں وہ غلاموں کے حال کی جستجو میں اپنا وقت ضائع کرے! غلام تو آخر غلام ہی ہیں ـــــــــــــ

چیلا اپنے گرو سے سوال کرتا ہے اور یہ جواب پاتا ہے:۔

"اے گرو! ہم عورتوں کے ساتھ کیا برتاؤ کریں؟

"اُن کی طرف ہرگز نہ دیکھ۔ انندا!"

"اور اگر باوجود احتیاط کے ہم اُن کی طرف دیکھنے سے باز نہ رہ سکیں"

"تو انندا، تو اُن سے بات نہ کر"

"اور اگر اے گرو! ہم اُن سے بات بھی کرلیں؟"

"تو پھر، اے انندا، تو اپنی فکر کر!"

بُدھ مت کے "انندا" کو عورت کی آگ کا ایندھن بننے سے اُس کے گرو نے روکا، اسی طرح مسیحیت کے ایک "گرو" نے فرمایا کہ:۔

"خدا کی لعنت ہے اُس جنس پر! تم شیطان کے آنے کا راستہ ہو! تم خدا کی تصویر (یعنے مرد) کو تباہ کردیتی ہو!"

اسلام نے عورت کو کچھ زیادہ حقوق دیے مگر وہ بھی چند روز

بعد تخت سلطنت کے اسلامی تاجداروں نے ضبط کر لیے اور ابتدائی نصف صدی کے بعد ہی مسلمان عورت بھی مرد کی ہمہ گیری کا شکار ہو گئی — تمام مذاہب کے ایسے اقوال جمع کرنا چاہتی ہوں تاکہ تمھیں بتا سکوں کہ کس طرح گذشتہ پانچ ہزار برس میں خدا کی مخلوق کے نصف حصّہ کو دوسرے نصف نے اپنا غلام بنایا، مٹایا، شمار سے باہر کر دیا! مرد اپنے کو خدا کی تصویر اور عورت کو شیطان کے آنے کا راستہ سمجھتا ہے — زندگی کے سمندر میں عورتیں گندی مچھلیاں ہیں! —

کاش کہ مرد، جو علم و فضل کا سب سے زیادہ کم فہم مدعی ہے، چند لمحے عورت کی نفسیات کا مطالعہ کرنے میں گذارے — صرف چند ایسے لمحے جو "صنفِ اعلیٰ" کے قدیم تعصّبات سے پاک ہوں!!

چھیالیسواں خط

تین مختلف قسم کے انسان ہوتے ہیں، اُن کے دماغوں کی تین مختلف کیفیات ہوتی ہیں :-

(۱) "یوں ہونا چاہیے"

(۲) "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے"

(۳) "اے کاش کہ"

وہ شخص دنیا کا فاتح ہے جو اپنے دل کی خواہشوں کو "یوں ہونا چاہیے" کے گہوارہ میں پرورش کرتا ہے۔ وہ مدعیانہ قدم اٹھاتا ہے اور ہر کام جو کرتا ہے اُس کے کرنے سے پہلے طے کر دیتا ہے کہ: "یوں ہونا چاہیے" اسباب و سامان سے وہ بحث نہیں کرتا، نتائج کی وہ پروا نہیں کرتا! وہ خون بہانے کے لیے اپنی تلوار بے نیام کرتا ہے اور کہتا ہے "یوں ہونا چاہیے"، وہ دنیا کی دولت حاصل کرنا چاہتا ہے، ممالک فتح کرنا چاہتا ہے اور یہی کہہ کر قدم اُٹھاتا ہے کہ:- "یوں ہونا چاہیے"! وہ علم و فضل کے میدان میں مخلوق خدا سے خراج عقیدت وصول کرتا ہے ـــــ اس طرح گویا وہ اُس کا مسلمہ حق ہے! وہ حکومت کرتا ہے، نئی سلطنتیں قائم کرتا ہے۔ تاج شاہی دوسروں کے سر سے اُتار کر اپنے سر پر رکھ لیتا ہے، سپہ سالاری کی تلوار اپنی کمر سے باندھ لیتا ہے، ملکوں اور قوموں کی ہستی کو زیر و زبر کر دیتا ہے اور جب دنیا اُس کے کارناموں کو حیرت اور احترام کی نظر سے دیکھتی ہوتی ہے تو وہ اپنی شان میں دنیا کے قصیدے اور گیت، انتہائی بے پروائی کے ساتھ سنتا ہے اور اپنی زندگی کی ہر تازہ کامیابی سے محض یہ کہہ کر قطع نظر کر لیتا ہے کہ "یوں ہی

ہونا چاہیے، جس بات کو وہ کہتا ہے کہ "یوں ہونا چاہیے" وہ اُسی طرح ہو جاتی ہے! اپنے دعوے کی نفی سے اُس کے کان نا آشنا رہتے ہیں!! وہ ایک سیلاب کی طرح بہتا چلا جاتا ہے، اپنے سامنے ہر چیز کو بہائے لیے جاتا ہے، زمین کا جگر چیرتا چلا جاتا ہے، اور آندھی کی طرح آسمان کی چادر پھاڑتا چلا جاتا ہے ــــ اور اسی شان کے ساتھ وہ کبھی سمندر سے جا کر ٹکراتا ہے! ــــ اور کبھی آسمان کے پرے عرش سے!

مگر وہ شخص جو ہر بات پر کہہ دیتا ہے کہ "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے،" وہ اِس سمندر سے ٹکرانے والے سیلاب کے مقابلہ میں کسی گانوں کا ایک چھوٹا سا تالاب ہے جس کے اندر وہی چند مینڈک رہتے ہیں جو ہمیشہ سے رہتے چلے آئے ہیں، جس کے کنارے گانوں کے وہی چند بیل اور چند سوّر پانی پینے آتے ہیں جو ہمیشہ آیا کرتے ہیں ــــ اُس کے اندر قصبہ کی غلاظت گرتی ہے تو وہ بُرا نہیں مانتا، اُس کے پانی میں غلیظ جانور آکر نہاتے ہیں تو وہ پروا نہیں کرتا اور ہر واقعہ کے بعد "یوں ہی ہوا کرتا ہے" کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے ــــ وہ شکایت نہیں کرتا ــــ وہ درحقیقت محسوس ہی نہیں کرتا! یہ شخص اپنے اندر کوئی حس نہیں رکھتا، نہ کامیابی اُس کو مسرور کرتی ہے نہ ناکامی مغموم ۔ وہ کامیابی اور ناکامی کا فرق ہی نہیں سمجھتا۔ جس کا خون رگوں میں سرد ہو گیا ہو جو تلوار اُٹھانے کا

جذبہ ہی نہ رکھتا ہو وہ زخم کی لذت کو کیا جانے! خواہشیں اُس کو نہیں ستاتیں، اُمیدیں اُس کو تنگ نہیں کرتیں ارادے اور خیالات اُس کے سکون کو متحرک نہیں کرتے ــــــ وہ سانس لیتی ہوئی ایک قبر ہے اور اُس کے خیال میں صرف تنفس ہی سے زندگی عبارت ہے!! وہ اپنے خیال میں کچھ اتنا مطمئن ہے کہ اُس کی نیند کو صبح کی تمنّا کبھی خراب نہیں کرتی اور اُس کی صبح کبھی اُس کے لیے کوئی نیا تحفہ نہیں لاتی! اُس کا تالاب اُس کی خاموش دنیا ہے، سمندر اُس کے وہم وگمان سے بھی باہر ہے! اُس کے تالاب کا طوفان بس اتنا ہے کہ اگر گاؤں کا کوئی لڑکا کنارہ پر کھڑا ہو کر ایک سنگریزہ پھینک دے تو پانی کی سطح پر چھوٹے چھوٹے چند دائرے بن جائیں! ــــــ

اپنے قلب کی حرکت کو وہ ہمیشہ یہ کہہ کر دھیما رکھتا ہے کہ "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے"! بے عملی اور بے حسی کے اسی منتر سے اُس کی روح آسودہ رہتی ہے ــــ کم وبیش کی فکر سے بے نیاز اور امروز و فردا کی کشمکش سے آزاد! ــــــ

مگر ان دونوں سے زیادہ زندہ لیکن عجوز وہ شخص ہے جس کی ہر سانس سے "اے کاش کہ" کی آواز آتی ہو! اپنی پیدائش سے دم آخر تک وہ "اے کاش کہ" میں مبتلا رہے۔ اور ہر طرف اسی طرح سینہ کوبی کرتا ہوا گذرے: "اے کاش کہ"

"اے کاش کہ" ان دو لفظوں میں وہ اپنی زندگی کا پورا فلسفہ بیان کر دے۔ اُس کی ہر صبح اور ہر شام کا عنوان یہی دو لفظ ہوں۔ اُس کی کتاب زندگی کی ہر سطر ان ہی دو لفظوں کی تفسیر ہو! وہ منزل تلاش نہ کرے، منزل کا سکون و آرام تلاش نہ کرے ـــ وہ مسلسل اور کبھی نہ ختم ہونے والا سفر چاہے ـــ حرکت چاہے ـــ انتہا اور خاتمہ نہ چاہے ـــ ہمیشہ آغاز اور دورانِ کار چاہے! اُس کی زندگی ایک مسلسل آواز ہو، مسلسل حرکت ہو، مسلسل حرکت ہو، مسلسل ہیجان ہو! وہ ہمیشہ مصروف رہے، عمارتیں گریں اور وہ بنائے، دریا خشک ہو جائیں اور وہ اُن میں پانی بھرے، کھیتیاں سوکھتی رہیں اور وہ آبپاشی کرتا رہے، اُمیدیں بھاگتی رہیں اور وہ اُن کا دامن نہ چھوڑے ارادے تھکتے رہیں اور وہ اُن کو سہارا دیتا رہے ـــ گرتا رہے اور سنبھلتا رہے ـــ اگر کبھی اُس کے حوصلے سُست بھی ہو جائیں تو وہ اُن کو جگاتا رہے۔ اپنی ہر خواہش پر کہے کہ "اے کاش کہ" یوں ہوتا، جب وہ خواہش پوری ہو جائے تو فوراً دوسری خواہش پیدا کرے ـــ "اے کاش کہ" یوں ہوتا ـــ "اے کاش کہ" یوں ہوتا! زمین سے ہوا میں، ہوا سے آسمان کے ستاروں میں، آسمان کے ستاروں کے بعد اُن سے بھی بلند تر ہر بلندی کے بعد اور بلندی مانگے ـــ کبھی چین سے نہ بیٹھے، ناکام ہو کر بھی کامیاب

مانگتا رہے۔ "آج" پر قانع نہ ہو اور "کل" کو تلاش کرتا رہے!
اُس کے مذہب میں قناعت زندگی کی نفی، سکون موت، اور
خواہش اور طلب عین زندگی ——————

میں سراپا "اے کاش کہ" ہوں اور تم یکسر "یوں تو ہوا ہی
کرتا ہے" ہو! میں ہمہ تن حرکت ہوں اور تم از سرتا پا جمود مطلق!
کیا اچھا ہوتا کہ "یوں تو ہوا ہی کرتا ہے" کے خانہ سے "یوں ہونا
چاہیے" کے خانہ میں منتقل ہو جاتے —— طلب کی قوت تم میں بھی
پیدا ہوتی۔ پھر میری اور تمھاری قوت ارادی کا مقابلہ ہوتا اور کسی
طرح ایک دن میرے تمھارے قضیہ کا فیصلہ ہو جاتا!!

اب تک جو ذوق طلب تم رکھتے ہو وہ ذوق کاذب ہے
—— اُس کے اندر آنسو ہیں آہیں ہیں، دو چار نالے ہیں، دس
بیس شکوے ہیں۔ اور کچھ نہیں ہے۔ میں اپنے ایک دلنواز تبسم سے
تمھارے تقاضوں کو تھپک کر سُلا دیتی ہوں! جب وہ تقاضے کسی
طرح نہ سُلائے جا سکیں تب سمجھو کہ تم ہوس کی زنجیروں سے آزاد ہو!!

سینتالیسواں خط

تھیٹر کے ایک مالک و منیجر صاحب جو میرے دیدار کے بہت

پیاسے رہتے ہیں اور اکثر میرے غریب خانہ پر تشریف لاتے ہیں کل کیف صہبائے تند کی حالت میں بکھر گئے ! مجھ سے اصرار فرمانے لگے کہ میں اُن کے تھیٹر میں اسٹیج کی زینت بنوں ایھوں نے اپنی لڑکھڑاتی زبان سے، میری نظر کے سامنے شہرت اور قبولیت کی بہت ہی نظر فریب تصویریں پیش کیں ــــ ہر شب کو ہزار ہا تماشائی میرے " فن " سے لطف اندوز ہوں گے، میں اُن کی نظروں میں جگہ پاؤں گی جس شہر میں "کمپنی" جائیگی وہاں میں اپنے کمالات اور اپنی شہرت کے نقش قائم کردونگی، چھ مہینہ میں سارا ہندوستان میرے نام سے گونجتا ہوگا اور میں اپنے زمانہ میں خدا جانے کیا بن جاؤں گی، میرا حسن، میرا ناچ، اور میری موسیقی دنیا میں تھیٹر کے فن کا ایک نیا معیار قائم کرے گی اور اہل نظر میرے نام کو لے کر اکناف عالم میں جائینگے اور میری شعریت کی شان میں قصیدے پڑھتے پھریں گے، میں ستارہ ہوں تو ماہتاب بن جاؤں گی اور ماہتاب ہوں تو آفتاب ہو جاؤں گی ! ـــــــــ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب کچھ اور کچھ اس سے بھی زیادہ اُنھوں نے فرمایا میں نے عرض کیا کہ کہاں میں گناہگار اور کہاں آپ کا "آرٹ" اچھا برا ایک اپنا اسٹیج میں نے اس کوٹھے پر اپنے لیے بنا لیا ہے اُسی پر صبح سے شام تک نئے نئے روپ لوگوں کو دکھاتی

رہتی ہوں اور اپنے کاروبار کی کامیابی سے بالکل مطمئن ہوں۔ پھر کیوں بجلی کی تیز روشنی میں آپ کے اسٹیج پر کٹ پتلی کی طرح گاؤں اور ناچوں

صبر کا نہیں یارا مجھے اُس ستمگر نے مارا مجھے!

میں اپنی راگنی چھوڑ کر آپ کا راگ کیوں گاؤں، اپنے ناچ سے قطع نظر کر کے آپ کا بتایا ہوا ناچ کیوں ناچوں؟ میں خود ہی پیدائشی ایکٹرس ہوں اور میرا "فن" آپ کے فن سے کم نہیں —— البتہ کچھ زیادہ آزاد ہے۔ میری نرگس مستانہ اور میرا عشوۂ ترکانہ اب بھی میرے لیے کافی وسیلہ معاش ہے، پھر اور مجھے کیا چاہیے؟ حُسن پرست مردوں کی تعریف و توصیف سے اب بھی محروم نہیں ہوں، میری "فتوحات" اب بھی کم نہیں! پھر جو میں اپنے بڑے بڑے عالی مقام غلاموں کو چھوڑ کر "چار آنہ ٹکٹ" والے تماشائیوں کی عامیانہ دلچسپی حاصل کرنے کے لیے لکڑی کے تختوں پر ٹھمکتی پھروں تو مجھ سے زیادہ بیوقوف کون ہوگا۔ بد اعمال ہوں مگر بد مذاق نہیں ہوں! آپ کے بڑے بڑے ڈرامہ نویس جو لغو اور بیہودہ اور بے معنی ڈرامے لکھ لکھ کر آپ کو دیتے ہیں اُن سے بہتر ڈرامے لکھ سکتی ہوں۔ آپ مجھ سے ایکٹ نہ کرائیے، ڈرامے لکھوائیے۔ خود میری زندگی میں اتنے ڈرامے کھیلے جا چکے ہیں اور روز کھیلے جاتے ہیں کہ اُن میں سے

دو چار کو بھی لکھنے بیٹھوں تو آپ جیسے "مینجر و مالک کمپنی ہذا" کی آنکھیں کھل جائیں!! تجارت ایک آزاد پیشہ ہے، میں آزاد ہی رہنا چاہتی ہوں، اپنی آمدنی میں ایک درمیانی آدمی کو حصہ دار کیوں بناؤں، آپ کی تجویز کا خلاصہ تو صرف یہ ہے کہ آپ میرے حُسن کے دلاّل بننا چاہتے ہیں! ——————

بیچارے بہت خفیف ہوے اور خفت کی ہنسی ہنس کر بات کو ٹال گئے۔

تم نے بہت سی عورتوں کو اسٹیج پر ایکٹ کرتے اور ناچتے دیکھا ہوگا۔ درحقیقت عورت کی ساری زندگی اسٹیج کی زندگی ہے۔ تم نے کبھی غور بھی کیا کہ ہماری سوسائٹی میں عورت کس طرح اپنی پیدائش سے موت تک ایکٹ کرنے پر مجبور کی جاتی ہے۔ وہ ہر وقت اپنے اسٹیج پر "مالک" کے منشاء کے مطابق ایکٹ کرتی رہتی ہے! شوہر یا باپ یا بھائی جو چال اُس کو چلانا چاہتے ہیں وہ چلتی ہے، آزادیٔ ضمیر و عقل کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب ایک لڑکی گھر کی چار دیواری میں پرورش پاکر شعور کی عمر تک پہنچتی ہے تو وہ سارے خاندان اور اُس خاندان کے تمام متعلقین کی نظر کا مرکز بن جاتی ہے اُس کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا سب اُن تماشائیوں کے منشا کے مطابق ہوتا ہے۔ اُس کے لیے جب ایک شوہر مہیا کیا جاتا ہے (ہر چیز اُس کے لیے مہیا کی جاتی ہے، وہ خود اپنے لیے کچھ مہیا نہیں کرسکتی!) تو پھر اُس کو اپنے گھر سے

نکل کر دوسرے گھر میں ایکٹ کرنا پڑتا ہے ۔ خسر، ساس، نند اور
دیور یہ سب تماشائی ہوتے ہیں ۔ اُن کی خوشنودی خاطر کے لیے
وہ وقف کردی جاتی ہے، اُس کا مرنا، اس کا جینا سب اُن
ہی لوگوں کے لیے ہوتا ہے ۔ اور اگر وہ ہندوستان کی نہایت
مشتبہ اصطلاح میں "تعلیم یافتہ" ہے تو پھر جلسوں میں "پارٹیوں"
میں جس کو "سوسائٹی" کہتے ہیں، ایکٹ کرتی ہے، اس کا اسٹیج
زیادہ کشادہ اور اُس کا تھیٹر زیادہ وسیع ہو جاتا ہے، اُس
کے لیے ایکٹ کرنا کس قدر مشکل ہو جاتا ہے جب وہ دیکھتی ہے
کہ اُس کے پاؤں میں مردوں کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط کی
زنجیریں پڑی ہوئی ہیں ۔ اور اُس کو اپنا ہر قدم مرد کی خواہش
اور منشا کے مطابق اُٹھانا پڑتا ہے ۔ تم کہو گے کہ عورت تو اسی
حال میں خوش ہے، ہاں بیشک، طوطے کے بچے کو جب تم پنجرے
میں بند کرکے پالو گے، اپنے ہاتھ سے اُس کو کھلاؤ گے، جیسا پسند
کرو گے ویسا ہی بولنا سکھاؤ گے، پنجرے کا دروازہ بند رکھو گے،
اور اُس طوطے کی بھوک پیاس بھی تمھارے اختیار میں ہوگی، تو
پھر وہ طوطا پنجرے کے دروازے کے باہر آنا بھی نہ جانے گا
اور اگر تم اُس کو آزاد بھی کردو تب بھی وہ تمھارے ہی گھر میں
پھرتا رہے گا، اُس کے پروں کی طاقت سلب ہو چکی ہوگی،
پھر تم اگر کہو کہ یہ طوطا آزاد ہے اور کھلی ہوا میں جہاں اس کا

جی چاہے اُڑ جائے، تو یہ تمہاری ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے!
واقعہ یہ ہے کہ عورتوں کے اندر جو شعریت اور طاقت عمل ودیعت کی گئی وہ سب مردوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور اُن کی فطرت پر گزشتہ صدیوں میں آہستہ آہستہ اس قدر سخت قبضہ حاصل کرلیا کہ اب عورت آزادی کا صحیح مفہوم بھی نہیں سمجھ سکتی! جو چند عورتیں اب آزادی کا مطالبہ کرتی بھی ہیں وہ بھی صرف ظاہری نشست و برخاست کو آزادی سمجھ رہی ہیں، باطنی آزادی، تخیل کی آزادی، دماغ کی آزادی، معاشی آزادی اصلی آزادی ہے، جب تک عورت، مرد کی مدد کے بغیر خود سوچنے، خود سمجھنے، خود اپنے دماغ سے راہ عمل پیدا کرنے، اپنی بصیرت سے زندگی کے معمول کو حل کرنے اور اپنے ضمیر کی روشنی میں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے قابل نہ ہو وہ آزاد نہیں۔ ابھی تو وہ دھوکہ کھا رہی ہے، مرد اُس کو اچھی اچھی ساریاں پہنا کر ہوا خوری کرنا سکھاتے ہیں، حُبّ وطن کے وہی جھوٹے گیت اُن کو یاد کراتے ہیں جن گیتوں کی آواز مردوں کے ڈھول اور نقارے سے نکلتی ہے۔ وہ "تعلیم یافتہ" بنا کر اُن کو جلسوں میں وہی بے معنی تقریریں کرنا سکھاتے ہیں، جیسی وہ خود کرتے ہیں، اُسی قسم کا قوم پرست اور مصلح قوم بناتے ہیں جیسے وہ خود ہیں!!— اور دعوے کرتے ہیں کہ ہم عورت کو "آزاد" کر رہے

ہیں!! یہ سب کھوٹے سکّے ہیں جو عورت کو دیے جاتے ہیں ۔ اُس کو سب کچھ بنایا جاتا ہے مگر عورت نہیں بننے دیا جاتا!! اچھی اچھی ساریاں پہنا کر، بڑے بڑے شاندار موٹروں میں "عظیم الشان" جلسوں اور کانفرنسوں میں، شاہی محلوں کے درباروں میں، عورت آگے بڑھائی جاتی ہے اور مرد کا مغرور ضمیر اُس کو تسلی دیتا ہے:

"یہ سب تیری غلام ہیں، ان کی شہرت تیری شہرت ہے، ان کی نمود تیری نمود ہے، جب یہ اچھے اچھے لباس پہن کر بڑی بڑی محفلوں میں جاتی ہیں اور زر و جواہر ان کے جسم پر چمکتے ہیں تو نام تیرا ہوتا ہے! تیری بیوی، تیری بیٹی، تیری بہن ۔ یہ سب تیری ہی کٹھ پتلیاں ہیں، نچائے جا، ان کو سب کچھ دے مگر آزادیٔ ضمیر نہ دے، سوائے اس دروازے کے باقی سب دروازے کھول دے ۔ ان کو آزاد ہو جانے دے یہ پھر بھی غلام ہی رہیں گی!" مرد خود ترقی نسواں کا علم لے کر کھڑا ہوتا ہے، سیکڑوں اخبارات و رسائل "صنف نازک کی اصلاح و ترقی" کے لیے جاری کیے جاتے ہیں ہزاروں تقریریں کی جاتی ہیں، رزولیوشن پاس ہوتے ہیں، اور گویا عورت کے متعلق اپنی آزاد خیالی اور روشن ضمیری کا یہ ثبوت دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ دیکھو ہم عورتوں کو اُن کے حقوق دے رہے ہیں!

ان لمبی زبان والے مقررین اور ان تیز قلم "اہل قلم" کے

گھروں میں جاکر دیکھیے تو اُن مضامین، تقریروں اور رزولیوشنوں کا ہلکا سا عکس بھی نظر نہ آئے گا! بھیڑیا گھر میں آتے ہی، بکری کی کھال اُتار دیتا ہے اور اُس کی حقیقت عریاں ہو جاتی ہے حقوق نسواں کے لیے پبلک کے جلسوں میں سینہ کوبی کرنے والا گھر پر آکر "بیوی کوبی" شروع کر دیتا ہے، وہاں تو کہتا ہے کہ عورت کے حقوق بھی مردوں کے برابر ہیں اور شام کو گھر میں آتا ہے تو سالن میں نمک زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ رکابی بیوی کے سر پر کھینچ مارتا ہے! یا "زوجہ ثانی" کی شکایت سُن کر "زوجہ اول" کی مرمت کر دیتا ہے — یہ ہے ان فریبوں کا فریب!! مرد خوب جانتا ہے کہ جب تک عورت کے دماغ پر غلامی کی مُہر لگی ہوئی ہے۔ اور اُس کے دل میں "صنف ضعیف" ہونے کا عقیدہ راسخ ہے، وہ قبضہ سے باہر نہیں جاسکتی۔ اپنی سب بہنوں سے اور خصوصاً اُن سے جو پردہ کے باہر آکر تقریریں کرنے اور قومی "لیڈر" بننے ہی کو اپنی آزادی سمجھتی ہیں، میں کہتی ہوں کہ ہم بدنصیب اُس وقت تک چار و ناچار مرد کے غلام رہیں گے جب تک کہ اپنے ضمیر کو اُس کے اثر سے آزاد نہ کریں اور اُس کے تفوق سے قطعی اور غیر مشروط انکار نہ کر دیں — انکار کی قوت ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے! تو! اسی کے ساتھ عمل کی تمام قوتیں ہم کو حاصل ہو جائیں گی اور نہ

جب تک یہ نہیں، اُس وقت تک ترقی نسواں، آزادی اور حقوق کی باتیں بہکائے ہوئے بچّوں کی باتیں ہیں!

میں تو اپنی حالت کو دیکھتی ہوں، جب شروع شروع میں گھر سے نکلی اور بازار میں آئی تو میرے دل میں مرد کی فضیلت کا احساس بہت قوی تھا، وہی میری عصمت لوٹتا تھا، وہی مجھے ذلیل کرتا تھا، وہی مجھ پر ہنستا تھا اور اُسی کا احسان میں اپنی گردن پر سمجھتی تھی! اُس کی نفس پرستی مجھے طعنے دیتی تھی، میرا مذاق اُڑاتی تھی اور میں اُس رسوائی کو یہ سمجھ کر قبول کر لیتی تھی کہ میں اسی قابل ہوں! مرد کی تمام بدکاریوں کے بعد بھی میں اپنے کو اُس سے زیادہ بدکار سمجھتی تھی۔ لیکن اس زندگی کے تجربوں نے میری آنکھیں کھول دیں اور آج میں محسوس کرتی ہوں کہ باوجود اپنی گناہگاری کے میں اب بھی انسان ہوں اور مرد حیوان مطلق!! میرے گناہ کا وزن اُس کے گناہ سے بہت کم ہے، میں اُس کے مقابلے میں زیادہ ایمان اور پاک تر ضمیر رکھتی ہوں میں گناہگار ہوں مکّار نہیں ہوں ــــ وہ مجھ سے زیادہ گناہگار بھی ہے اور موذی بھی اور مکار بھی!! اُس کے قلب پر گناہوں کی سیاہی طاری ہے۔ میرے قلب پر خون کی چھینٹیں ہیں، زخم ہیں، ناسور ہیں۔ میرا دل اب بھی خدا کے خوف سے کانپ جاتا ہے، مگر اُس کا دل شیطان کے قبضہ میں ہے اور سوائے دنیا کی بدنامی کے

کسی چیز سے نہیں ڈرتا! اُس کا صرف وہ عمل گناہ ہے جو لوگوں پر ظاہر ہو جائے!

مظلوم کو جب ظالم کے ظلم کا احساس ہونے لگے تو سمجھ لو کہ وہی ظالم کے خاتمہ کا آغاز ہے! عورت کے کانوں میں اب کچھ آوازیں آنے لگی ہیں! جو کچھ میں سوچتی ہوں وہی میری بہت سی بہنیں سوچ رہی ہیں ——— تم شاید اعتراض کرو ——— ہمیشہ اعتراض کیا کرتے ہو ——— کہ تو باتیں تو اتنی بناتی ہے مگر خود بھی اُن ہی مردوں کی خدمت کرتی ہے جن کو تو ظالم اور مکار کہتی ہے۔ مگر میری نسبت تمھارا یہ خیال صحیح نہیں۔ میں جو کچھ کرتی ہوں وہ میرا پیشہ ہے، مگر میرے دماغ میں الحمدللہ، مرد کے تفوق کا ذرا بھی اثر باقی نہیں۔ میں اپنے تھیٹر میں محض روٹی کمانے کے لیے ناچتی ہوں لیکن تماشا دیکھنے والے مردوں کے اتنی ٹھوکریں مارتی ہوں کہ وہ بھی یاد کرتے ہوں گے۔ اپنے بڑے بڑے عالی مقام عشاق کو جو موٹروں میں سوار ہو کر میرے گھر آتے ہیں، بھنگی اور چمار سے بدتر سمجھتی ہوں، جب وہ میرے حُسن کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ درخواستیں پیش کرتے ہیں تو دل کو ایک عجیب تسکین حاصل ہوتی ہے میں اُن کو جھڑکتی ہوں اور خوش ہوتی ہوں، اُن کو ہر طرح ذلیل کرتی ہوں اور دل میں کہتی ہوں :- "موذی تیرا علاج ہی یہ ہے۔ اور جوتیاں کھائے گا؟" وہ میری عصمت کی قیمت ادا کرتے ہیں،

میں اُن سب کو اپنے دوزخ کا ایندھن سمجھتی ہوں، جب کوئی نیا چاہنے والا آکر پھنستا ہے تو کہتی ہوں! ۔ "آ میرے شکار، میں تیرے کباب بناؤں! میری آگ بہت تیز ہے، ان انگاروں پر لوٹ۔ تیرا جس قدر خون جلیگا اُسی قدر میری روح تازہ ہوگی!" یہ خریدار مجھے میرے جسم ہی کی قیمت ادا نہیں کرتے بلکہ اپنی انسانیت بھی مجھے دیتے ہیں، وہ سمجھتے ہوں گے کہ اُنھوں نے بڑی فتح حاصل کی، میں سمجھتی ہوں کہ میں نے دنیا کے موذیوں کی روح کو اپنے زہر سے آلودہ کر دیا۔ فنا کر دیا۔ وہ داغ لگا دیا جو مٹ نہیں سکتا ـــــ فتح دراصل میری ہوتی ہے! ـــــــــ

جس دن بازارِ حسن میں میرا کاروبار بند ہوگا ـــ اُس کے بند ہونے کی وجہ کچھ بھی ہو ـــ اُس دن میں ماما حوّا کی آزاد بیٹی بن کر اپنی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد قرار دوں گی ـــ مرد کے تفوق کی بیخ کنی ـــ اسی مقصد کے حاصل کرنے میں اپنی ساری عمر ختم کر دوں گی! ـــــــــ

ان خیالات اور ارادوں کے ساتھ اگر میں تمھاری بیوی بن کر تمھارے گھر میں آ بیٹھی تو کیا تم مجھے اجازت دوگے کہ میں اس جہاد کو جاری رکھوں؟ خدا جانتا ہے کہ اُس انتقام کی لذت حجلۂ عروسی سے میرے لیے یقیناً زیادہ ہے!!

ـــــــ ٭ ـــــــ

اڑتالیسواں خط

عرصہ سے تمھیں خط نہیں لکھا — لکھ نہ سکی — ہوا کچھ دوسری طرف چل رہی ہے! سوچتی زیادہ ہوں، کہتی کم ہوں! کبھی کبھی مجھ پر ایک دورہ سا پڑتا ہے، جیسے کسی نے کتاب کا ورق لوٹ دیا! تمھارا اندازہ غلط نہیں، میرے موسم جلد جلد بدل رہے ہیں آج کل ایک انقلابی اور ہیجانی کیفیت مجھ پر غالب ہے۔ خبر نہیں یہ کیسا انقلاب ہے، کیونکر، کہاں سے، کس طرح، پیدا ہو رہا ہے؟ کوئی قوت ہے۔ ازلی اور ابدی — جو میری باگیں ہاتھ میں لیے ہوئے ہے، کوئی دُور کی آواز ہے جو مجھے بلا رہی ہے، کوئی ہے جو اشارے کر رہا ہے، کوئی بھولی موسیقی، جس کی ایک موج کہیں دُور قوسِ قزح کے پاس پیدا ہوتی ہے، آتی ہے اور مجھ کو چھُو جاتی ہے، اور واپس ہو جاتی ہے! وجودِ باطنی میں ایک نئی لرزشِ حیات پیدا ہوتی ہے، جیسے بجلی کے تار پر اُنگلی لگ گئی ہو، ہلکے ہلکے جھٹکے محسوس کرتی ہوں!! جو کیفیتیں مجھ پر گذری ہیں اُن میں عجیب تر کیفیت یہ ہے کہ مجھے اپنی گذرتی ہوئی جوانی، جو کبھی عزیز نہ تھی، کچھ عزیز ہوتی جاتی ہے۔ جب سے میں نے اس بازارِ حُسن میں دوکان لگائی میں اپنی جوانی اور

اپنے حسن کو دونوں ہاتھوں سے لٹاتی رہی ہوں۔ اپنے عاشقوں
کے ہجوم میں مَیں نے اس کو مٹھیاں بھر بھر کر بکھیرا ہے اور کوشش
کرتی رہی ہوں کہ لوٹنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے۔
یعنے جس قدر جلد میں اس متاع حسن سے فارغ ہو جاؤں بہتر
ہے۔ جس قدر میرے حسن کی یہ عمارت پیوند زمین ہو جائے
اچھا ہے۔ لیکن خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے کہ اب اس سرمایہ
میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اس کو محفوظ کرنے کی خواہش
دل کے کسی ویران گوشہ میں پیدا ہو رہی ہے۔ کوئی میرے کان
میں کہہ رہا ہے "لیلی! جو کچھ باقی ہے اس کو سنبھال، کوئی
مدعی آنے والا ہے جو تجھ سے اس دولت کا حساب مانگے گا جو
تو نے لٹائی ہے۔ اس کے لیے جو کچھ بچ سکے بچا رکھ۔ جب وہ
آنے والا تجھ سے کہے گا، میرے لیے تیرے پاس کیا ہے؟
تو بتا تو اپنے لٹے ہوئے گھر سے اس کے لیے کیا نذرانہ لائیگی؟
جب فاتح تیرے شہر کو فتح کرے گا تو تیرے پاس اس کے
لیے کچھ خراج بھی ہو گا یا نہیں؟ کیا تو بالکل ہی مفلس اور نادار
بن کر اس کے سامنے جائے گی؟"

اپنے باغ کے لاکھوں پھول میں تقسیم کر چکی، ایک چھوٹی سی
کیاری میں چند پھول جو باقی رہ گئے ہیں، اب میں اپنے دل میں
یہ خواہش پاتی ہوں کہ وہ کسی طرح سرسبز رہیں، مرجھا نہ جائیں۔

شاید یہ میرے آنے والے عہد پیری کا پہلا اشارہ ہے! اشرفیاں لٹا دینے کے بعد چند بچے ہوے پیسوں کو گرہ میں مضبوط باندھنے کی خواہش اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب افلاس دروازہ پر دستک دیتا ہے، شاید کچھ ایسا ہی حال میرا ہے۔ جب تک دولت وافر تھی میں لٹائے گئی ــــ لٹائے گئی ــــ اب جب کہ میرے میخانہ کی سب شرابِ ناب پینے والے بلا نوش پی گئے تو تلچھٹ کے اُن چند قطروں کو جو خُم میں باقی رہ گئے ہیں، بچا بچا کر رکھنا چاہتی ہوں، یا تو یہ بات ہے ــــ یا ــــ میں کچھ کہہ نہیں سکتی، سمجھ نہیں سکتی! میری زندگی کی سرسبز وادی میں پھولوں کی شاخیں خالی ہو چکی ہیں، میری جوانی بھاگی جاتی ہے، میں کیوں اُس کو واپس لانا چاہتی ہوں، میں کیوں اُس کے پیچھے دوڑ رہی ہوں؟ اگر یہ عہد جوانی کے اختتام کی وہ کیفیت نہیں جو اکثر انسانوں میں پیدا ہوا کرتی ہے تو پھر یہ بات کیا ہے؟ ــــ شاید وہی آواز سچ کہتی ہو جو میرے کانوں میں آرہی ہے؟ اپنی تجارت کے فروغ کے لیے جو جنس میں نے دوکان پر رکھی تھی اب اُس کو کسی آنے والے کے سامنے ہدیۂ محبت بنا کر پیش کرنا چاہتی ہوں تاکہ جب وہ آئے ــــ ملکِ محبت کا وہ بادشاہ ــــ تو میں اپنا ہدیہ حقیر، اپنا حُسن، اُس کی تمام شعریت، اپنی جوانی، اپنی راگنی

اپنا نغمہ، اپنی روح، اپنی ساری پونجی ایک خوان میں رکھ کر اُس کے سامنے پیش کروں اور کہوں :- "اے میرے راجہ! یہ مجھ فقیرنی کی نذرِ محبّت ہے — اس کو قبول کر — تو دیر سے آیا! جب میرا سارا شہر لٹ چکا! میرے خزانوں میں سے اب جو کچھ باقی ہے وہ تیرا ہے — اس کے بعد میرے پاس کچھ نہیں!" حیراں ہوں کہ الٰہی وہ کون ہوگا، کب آئے گا جس کے سامنے میں اس طرح اپنی نذر پیش کروں گی اور جو اس طرح اُس کو قبول بھی کرلے گا! کس کے لیے میں اپنی خشک کھیتی پر پانی چھڑک رہی ہوں — کس کے لیے؟ — کس کے لیے؟ — کوئی مجھے بتائے!! —

موت کے گھنٹے سے زندگی کی آواز کیوں نکل رہی ہے!!

انچاسواں خط

میرے الفاظ کم ہوا کرتے تھے — مفہوم زیادہ ہوتا تھا۔ تمھارے الفاظ زیادہ ہوتے تھے مفہوم بہت کم ہوتا تھا — اب میرے الفاظ زیادہ ہونے لگے، مفہوم بہت اُلجھا ہوا ہوتا ہے — تمھارے الفاظ مختصر ہونے لگے مگر مطالب زیادہ ہوتے

ہیں!! کچھ تم بدل رہے ہو، کچھ میں بدل رہی ہوں ۔ کیا اسی طرح کسی دن تم میری جگہ آجاؤ گے اور میں تمھاری جگہ؟ ــــــ یا ہم دونوں کسی وسطی نقطہ پر مل جائیں گے؟ ــــــ پھر کیا ہوگا؟ جس دن تم نے قسم کھائی تھی کہ آئندہ میرے ساتھ جنسی تعلقات نہ رکھو گے اور محبّت کرنا سیکھو گے، جس طرح کہ محبّت کرنی چاہیے، اُسی دن میں نے بھی عہد کرلیا تھا کہ اگر تم اپنی قسم پر قائم رہے تو میں بھی چند قدم تمھاری طرف بڑھنے کی کوشش کروں گی ــــــ تم بار بار سوال کرتے ہو کہ میری رائے میں تمھاری قسم مستحکم ثابت ہوئی یا نہیں ــــــ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی! بس اتنا کہہ سکتی ہوں کہ جب سے تم نے لذّاتِ نفسانی کو میرے اپنے تعلقات سے خارج کیا، میں تمھاری دوستی میں ایک نیا لطف پاتی ہوں، ایک نئی کیفیت محسوس کرتی ہوں ۔ وہ گناہ کی بے حجابی میرے اور تمھارے وجودِ روحانی کے درمیان بہت بڑا حجاب تھا ۔ جب سے گناہ کا دور ختم ہوا وہ حجاب بھی کم ہونے لگا ۔ اب جو تم ملتے ہو تو میں تمھارے اندر وہ تعفن نہیں پاتی جو پہلے مجھے تم سے متنفر کرتا تھا ۔ طغیانی کی حالت میں دریا کا پانی بہت میلا ہوتا ہے ۔ لیکن طغیانی کے بعد اُس کا بہاؤ شائستہ اور پانی صاف ہوجاتا ہے ۔ اب جو تمھارے نفس کی خواہشوں کا دریا اُترا ہے تو اُس میں شاید کچھ صاف پانی آنے

لگا ہے! ــــــ کیا یہ کسی عظیم الشان انقلاب کا پیش خیمہ ہے؟ میری زندگی میں، یا تمھاری زندگی میں؟ یا دونوں کی زندگی میں؟ خدا ہی کو علم ہے! میرے تمھارے تعلقات کی ناپاکی کا پاکی سے بدل جانا کیا معنے رکھتا ہے؟ ہمارے گناہوں کے آغوش میں یہ کیسا انقلاب پرورش پا رہا ہے! فرض کرو کہ تم اپنی سطح سے واقعی بلند ہونے لگے تو کیا تم مجھے بھی اپنے ساتھ کھینچ کر اس دلدل سے نکال سکو گے؟ کیا خبر ہے کیا ہوگا ــــــ لیکن میرے لیے یہ خواب خوش آیند ضرور ہے۔ عقاب جب فاختہ کو اپنے پنجوں میں دبا کر بلند ہوتا ہے تو زخمی فاختہ جو اُس کے پنجوں کی گرفت سے خوف زدہ ہوتی ہے۔ کیا عقاب کے ساتھ بلند ہونے پر خوش بھی ہو سکتی ہے؟ اُس کی وہ بلندی فنا کی بلندی ہے ــــــ لیکن میں تو شاید اس پر بھی راضی ہو جاؤں! بقا اگر نصیب نہ ہو تو فنا بھی بُری چیز نہیں! میں تو اس حال میں ہوں کہ نہ بقا میرے لیے ہے نہ فنا میرے لیے ہے! ان دونوں کے درمیان معلّق ہوں۔ اگر زندگی نصیب نہ ہو تو موت کیا بُری ہے! اس زندگی میں جس کے اندر نہ میں مرتی ہوں نہ جیتی ہوں کام مرنے کے اور فنا ہونے کے کرتی ہوں اور خواہش جینے کی رکھتی ہوں! ــــــ کہیں بہت دُور، میرے دل کی گہرائی میں، بقا کی یہ خواہش ایک بجھنے والے چراغ کی طرح ٹمٹما رہی ہے ــــــ اور باہر یہ حال ہے کہ آندھیاں آ رہی ہیں!! وہ "عورت" جاں بلب "عورت" جو میرے
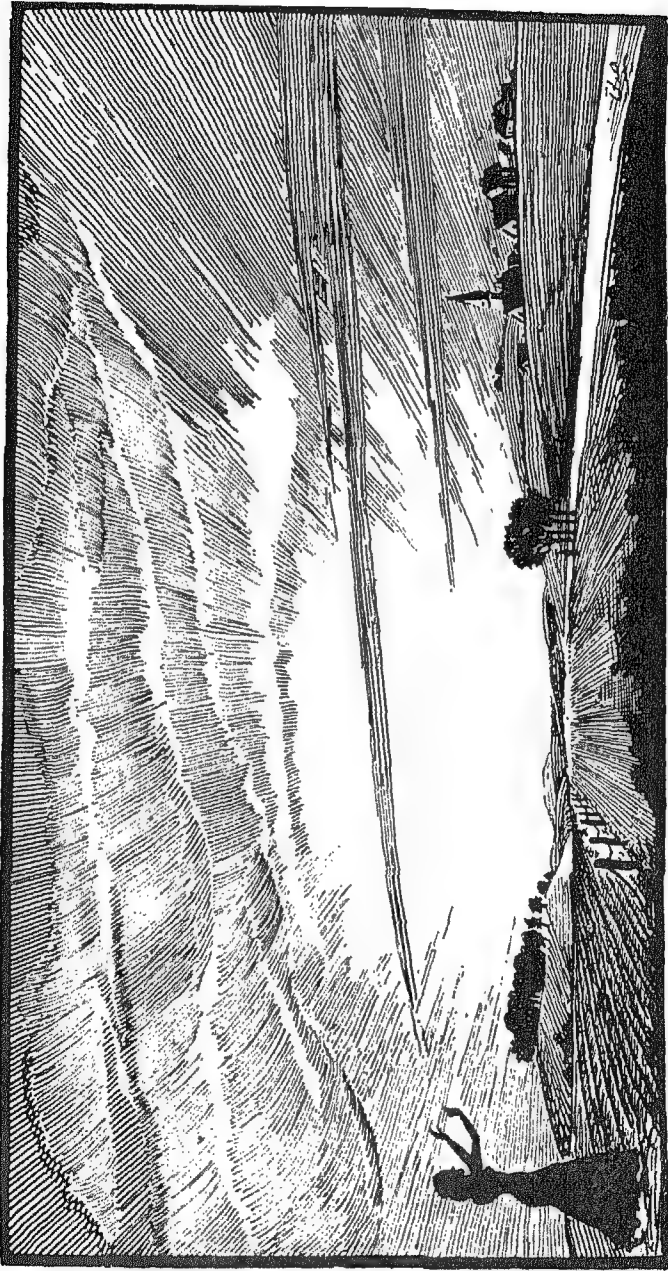
اندر ہے اب بھی کسی شب کی خاموشی میں، کسی دن کی تنہائی میں
چپکے چپکے مجھ سے کہا کرتی :- "دیپلی! تیری شراب سرکہ بن گئی،
تیری شیرینی تلخ ہو گئی، اپنا مینا خالی کر دے۔ اس میں کوئی نئی
شراب بھر دے۔ اپنی قسمت کا کوئی نیا ستارہ ڈھونڈھ——
تو عورت ہے —— تو عورت ہے! تو کھلونا نہیں ہے۔ اپنے دل
میں اُس جوہر کو قائم رکھ جو عورت کا حصّہ ہے۔ تو محبّت کر سکتی
ہے، تجھ سے محبّت کی جا سکتی ہے —— اپنی گود فطرت کے
تحائف سے بھر لے۔ اپنے لباس ظاہر کو تار تار کر کے جلا دے
اور اپنے باطن کی عریانی کو محبّت کی دہلیز پر رکھ دے ——
وہی تیرا مقام ہے، وہی تیرا گھر ہے!! —— تو عورت ہے،
تو عورت ہے، اپنا جوڑا ڈھونڈھ؟ اپنا ٹھکانا پیدا کر —— جہاں
تو مر کر بھی زندہ رہے گی —— تو لازوال ہے!!" ——
تم یاد آتے ہو، آؤ!!

پچاسواں خط

تمھیں خط کیا لکھوں، بہت مصروف ہوں —— آ کر دیکھ لو!
اپنی ٹوٹی ہوئی کشتی کے تختے جوڑ رہی ہوں، پھٹے ہوئے بادبان سی

رہی ہوں، پتواروں کی مرمت کر رہی ہوں —— گویا کوئی بڑا طوفان آنے والا ہے!! کون ایسا ملّاح آئے گا جو اس ٹوٹی ہوئی ناؤ کو سنبھالے گا؟ ہوا بند ہے، فضا خاموش ہے، اُٹھتے ہوئے بادلوں کو دیکھ رہی ہوں، چمکتی ہوئی بجلی پر نظر جمائے ہوئے ہوں، ہوا چلنے والی ہے، سمندر کی موجیں بڑھتی آتی ہیں —— کوئی مجھے اور میری کشتی کو اُن موجوں کی طرف ڈھکیل رہا ہے، کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے:۔ "اپنی کشتی میں بیٹھ جا! رسیاں کاٹ دے! تیری کشتی کا ملّاح آگیا!" میں پوچھتی ہوں "کہاں آگیا، کدھر آگیا؟ کیا وہ طوفانی ہوا کے دامن میں لپٹ کر آئے گا؟ کیا وہ بادلوں کے کاندھوں پر سوار ہو کر آئے گا؟ کیا وہ موجوں کے آغوش میں لپٹا ہوا آئے گا؟ —— وہ کیسے آئے گا، وہ کہاں سے آئیگا!" —— مگر کوئی کہے جاتا ہے: "وہ آگیا۔ وہ آگیا" میری نہیں سُنتا اور کہے جاتا ہے!!

اکانواں خط

تم نے مجھے پھر ڈھونڈھ لیا! میں مر جاؤں گی میں فنا ہو جاؤنگی

مجھ میں سکت نہیں کہ تمہارے سامنے آؤں! میرے سامنے سے ہٹ جاؤ، مجھے چھوڑ دو، بخش دو! رنگین تتلی کو باغوں میں اُڑنے دو، ہاتھ لگاؤ گے تو اُس کے پروں کا رنگ اُڑ جائے گا——

کوئی نہیں سنتا—— مگر کوئی ہے جو بڑھا آرہا ہے!!——

میری آنکھوں میں نیند نہیں، سورج کے طلوع ہونے کا انتظار ہے! میری کشتی تیار ہے، سمندر کی موجوں کا آغوش کھلا ہوا ہے،—— میرا ملاح آگیا!!——

میرے خون سے تیری کھیتی سینچی جائے گی، میں تجھے سنوارنے کے لیے بگڑوں گی، میری گندگی تیرے پاؤں دھو کر پاک ہو گی، زمین کھودی جاتی ہے، ملبہ اور کیچڑ کے ڈھیر لگائے جاتے ہیں لکڑیاں کاٹی جاتی ہیں، اینٹیں پیسی جاتی ہیں، اُس تمام تخریب کے بعد مسجد تعمیر ہوتی ہے۔ اُس خرابی کے اندر سے محراب و منبر پیدا ہوتے ہیں—— میری مسجد تیار ہے، مگر میں اس کے اندر کیونکر قدم رکھوں، میں ناپاک ہوں!——

رات بھر کے طوفان کے بعد صبح ہو رہی ہے، خزاں کے بعد درخت برہنہ ہو گئے تھے، بہار اُن کے لیے ایک نیا لباس لے کر آرہی ہے، اُس لباس کے ساتھ زندگی کی نئی مسرتیں ہیں——کیا میری خزاں کو بھی بہار کا پیام آیا ہے؟ کیا میرے ویرانہ کی شکستہ دیواریں بھی از سر نو تعمیر ہوں گی؟ میری ظلمت میں

یہ شعلے کیوں بلند ہو رہے ہیں ؟ کون ہے جو میرے دل میں بادشاہ بن کر بیٹھ گیا ہے۔ کون ہے ؟ تم ہو ؟ ـــــ تم نے کہا تھا:۔ "تو مجھ سے بھاگتی ہے میں چھپ کر تیرے دل میں جگہ ڈھونڈھ لوں گا، تو مجھ سے محبّت نہیں کر سکتی، میں تجھے محبّت کرنا سکھا دوں گا!" تم نے جو کہا تھا وہ کیا!! میں کہا کرتی تھی:۔ "میرا مرد پیدا نہیں ہوا۔ میرا جوڑا دنیا ہی میں نہیں آیا" ـــــ آج میرا مرد آگیا، آج میرا جوڑا آگیا، میں اُس کی ہوں، میں اُس کے لیے ہوں، میری زندگی اُس کی ہے میرا عیش اُس کا ہے ـــــ وہ آگیا جس کے وجود سے میری زبان انکار کرتی تھی اور جس کو میری روح پکارتی تھی ـــــ تم آگئے!۔

باونواں خط

دنیا کے ظاہر پرستوں نے میرے خطوط پر تبصرہ شروع کر دیا ـــــ ان اوراق میں جو کچھ لکھا گیا اُس کو زندگی کی ایک داستان سمجھا جا رہا ہے، کم نظری، اور وہ بھی مرد کی ـــــ بہت تمسخر انگیز ہے!

میری زندگی کی داستان کا ایک نقطہ بھی ان اوراق میں موجود نہیں! زندگی تھی کہاں جو داستان بنتی! میں سوتے سوتے

ابھی تو جاگی ہوں !! وہ "عورت" جو میرے اندر ۲۵ برس تک
سوتی رہی اب آنکھیں مل کر پہلی انگڑائی لے رہی ہے ———
ان احمقوں نے اُس پہلی انگڑائی کو ساری داستان سمجھ لیا !!
آغاز کو انتہا سمجھ رہے ہیں — اول کو آخر کہتے ہیں ! تبصرہ اور
تنقید کے دریا بہ گئے — اس لہو کے ایک ہی قطرہ پر !!

غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لیے لکھتی ہوں کہ یہ جو کچھ ہے میری
داستان کا دیباچہ ہے ۔ ایک مختصر روئداد خواب کے بعد اب
بیان بیداری شروع ہوتا ہے ——— میں ابھی ابھی بیدار
ہوئی ہوں — محبت کے آغوش میں ! زندہ رہی تو "عورت"
کی زندگی کا کچھ حال بیان کروں گی — پڑھنے والے "مرد"
گھبرا گھبرا کر میرے آغاز کو انجام نہ سمجھیں !!

چند روز اس نئی دنیا میں مجھے دم لینے دو جس کے دروازے
میرے لیے کھلتے جاتے ہیں — اس ویرانہ کو آباد ہونے دو
— مجرموں سے میرے انتقام کا وقت وہ آئے گا جب میں بیوی
اور ماں بن کر بغاوت کا علم بلند کروں گی ، ابھی تو میں ایک
بازاری عورت ہوں — ذلیل، حقیر، گردن زدنی ! جس شریعت کے پردہ میں مرد
عورت پر جابرانہ حکومت کرتا ہے اسی شریعت کا نام لے کر میں اُس کے سارے
پردے فاش کرونگی ۔ یہ جانتی ہوں کہ وہ مکار یہ ضرور کہیگا کہ در لیلی !
— وہی لیلی ! — جو کل شام تک حسن فروش تھی — ہم ہی سے اپنی روزی

حاصل کرتی تھی، اب ہمکو لعن طعن کرنے کے لیے عصمت و عفت کی دیوی بنی ہے!" تم منھ چڑا چڑا کر لعن طعن کروگے اور میں ہنس ہنس کر تمھاری سیاہ کاریوں کے متعلق تم ہی سے محاسبہ کروں گی ——————

ان اوراق پر "تمت۔ تمام شد" میں نے نہیں لکھا ہے —— بلکہ ان خطوط کے اختتام کو ایک نئے باب کا عنوان بناتی ہوں!!

عصمت فروش بازاری عورت کی دو باتیں سُن کر تم اس قدر خفا ہو گئے، مگر جب ایک خانہ نشین، پاک نہاد بیوی کی دوچار باتیں سنوگے تو کیا کہوگے۔ حق کی آواز محض تحقیر اور تذلیل سے روکی نہیں جا سکتی۔ یہ اوچھوں کے ہتھیار ہیں جن کی دھار ہمیشہ کُند ہوتی ہے!!

ہاں ایک دوسرے جنم میں میرا انتظار کرو! ——

"لیلی"

بچّوں کی کتابیں

ہماری مطبوعات

۱۔ کنول۔ اعظم کریوی کے بلند پایہ افسانے۔ .... عا/

۲۔ سادہ اور رنگین افسانے۔ ظفر قریشی صاحب دہلوی .... ۱۲/ عا/

۳۔ خانقاہ۔ ایم اسلم کے جدید اور نئے افسانوں کا مجموعہ ..... ۸/ عا/

۴۔ دکن کی سیاسی تاریخ۔ ابوالاعلیٰ صاحب مودودی ...... ۱۲/ ے

۵۔ لہو ترنگ۔ سکندر علی صاحب وجد کا مجموعہ کلام .... عا/

۶۔ ایک شاعر کا انجام۔ ہندوستان کے مایہ ناز ادیب نیاز فتحپوری کا پہلا افسانہ ۸/ ۱۲/

۷۔ مرمر اور خون۔ عزیز احمد صاحب کا مشہور نفسیاتی ناول جس میں بتایا گیا ہے کہ جذبات پرست امیرزادوں کے لیے مفلسی ایک کھلونا ہے۔ عہ/

۸۔ کارخانہ۔ ظریف فطرت فضل الرحمن صاحب کا مزاحیہ ڈرامہ۔ سرمایہ داری، مزدور اور مزدور کی لیڈری پر عجیب انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۱۲/

۹۔ مشاہیر کی بیویاں (مغرب) مغرب کے مشاہیر کی بیویوں کی زندگی۔ ۱۲/

۱۰۔ پارلیمانی طرز حکومت۔ پارلیمان کے ذریعہ حکومت کا پورا نقشہ از منظور الحسن ہاشمی ۱۲/

۱۱۔ مشرق بعید۔ مشرقی ممالک کی سیاست، وہاں کے سیاسی تعلقات اور معاہدات از شاہد حسین رزاقی .... عہ/

۱۲۔ تقاریر جناح۔ قائد اعظم کی حالیہ تقاریر کا اردو ترجمہ .... ۸/ عا/ ۸/

۱۳۔ مکتوبات نیاز۔ دوسرا حصہ۔ نیاز فتحپوری ...... ے

ملنے کا پتہ۔ کتاب خانہ انجمن ترقی اردو (ہند) عابد روڈ حیدرآباد دکن

ہماری زیرِ طبع کتابیں

۱۔ رقعاتِ اُردو اول، دوم ۔ مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو (ہند)
۲۔ انتقادیات اول، دوم ۔ تنقیدی مضامین جناب نیاز صاحب فتحپوری
۳۔ سیاحت نامہ اسلامیہ ۔ قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر۔
۴۔ کلیاتِ فانی ۔ فانی بدایونی کا مکمل مجموعہ اضافہ کے ساتھ۔
۵۔ تسنیم ۔ قیسی رامپوری کا اچھوتا ناول۔
۶۔ نئے افسانے ۔ عزیز احمد صاحب۔
۷۔ مضامین فرحت اول، دوم، ہفتم ۔ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کے مزاحیہ مضامین
۸۔ ہمارے کارخانے ۔ منظور الحسن صاحب ہاشمی بی۔ اے۔
۹۔ قرآنی مملکت ۔ شاہد حسین صاحب رزاقی ایم۔ اے۔
۱۰۔ مشاہیر کی بیویاں ۔ مبارز الدین صاحب ایم۔ اے۔
۱۱۔ مشاہیر چین ۔ میر عابد علی صاحب بی۔ اے۔
۱۲۔ پرانے خدا ۔ کرشن چندر۔
۱۳۔ مسکراتے آنسو ۔ بھارت چند کھنہ۔
۱۴۔ لینن گراڈ تا سمرقند ۔ عشرت صدیقی۔

رسالہ "ہماری کتابیں" ماہانہ

اُردو میں اپنے طرز کا واحد علمی تحقیقی اور تنقیدی رسالہ ہے جو علی شبر حسن حاتمی بی کیس سی (عثمانیہ) کی زیرادارت شائع ہو رہا ہے اس رسالہ میں حسب عنواناتِ ذیل کے تحت بہترین مضامین شائع ہوتے ہیں :-

مقالات مشاہیر مفکرین اُردو اور بلند پایہ محققین ادب کے افکار جمیل اور تحقیقات انیق کے بیش بہا جواہر پارے۔

تذکرہ محسنین اُردو اور مشاہیر ادب کے ذاتی حالاتِ زندگی اور علمی ادبی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی روشنی میں مبسوط جائزہ۔

علمی استفسارات قارئین کے تحقیق طلب استفسارات کے معلومات افزا اور بصیرت افروز جوابات نہایت دلکش رنگین اور پسندیدہ طرزِ بیان میں

تبصرہ فنِ تنقید کے جدید اصولوں کے ساتھ زبان اُردو کی بہترین تصانیف پر ماہرانہ تبصرہ

تعارف جدید ترین مطبوعات اُردو کی فن وار تقسیم اور عنوان موضوع کا مختصر

علم کتب خانہ کتب خانوں اور دارالمطالعوں سے متعلق ٹھوس اور فنی مضامین

تکملہ یا ایک سو سے زاید مطبوعات کے نام معہ مصنف، ناشر، قیمت، سنہ اشاعت اور فن وار

سررشتہ تعلیمات نے اس کو مدارس کیلئے منظور فرمایا ہے سالانہ چندہ صرف

مہتمم محمد عبدالہادی (عثمانیہ)

اُردو منزل اُردو گلی حیدرآباد دکن